دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرة مولانا عبدالحق، بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور (مغربی پاکستان)

اس شمارے میں

جلد : ۳
شمارہ : ۴

شوال ۱۳۸۷ھ ★ جنوری ۱۹۶۸ء

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

مدیر
مولانا سمیع الحق

کتابت : [illegible]

زرسالانہ چھ روپے ۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے سالانہ

شہرِ عظیم ، رمضان المبارک ، اطاعت و انقیاد، تسلیم و رضا اور صبر و مؤاسات کا مہینہ ہم سے جدا ہو رہا ہے۔ بالخصوص اس کا الوداعی دور تو مقاماتِ عشق و وصال کا عہدِ تکمیل اور نکتۂ معراج ہے۔ یہ عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف اور لیلۃ القدر اور یہ نالہ ہائے نیم شبی اور مناجاتِ سحر گاہی ، جانے والے محبوب کے حسن و جمال کی جلوہ طرازیاں ہیں ، پھر ایسے وقت حسن میں نکھار نہ آئے اور پیمانۂ صبر و ضبط لبریز نہ ہو تو کب ہو۔؟ ؎

وحلَی الوداع من الحبیب محاسناً   حسنُ العزاءِ وقد جُلینَ قبیح

رمضان ربِ کریم کا مہمان بن کر آیا ، مبارک ہیں وہ جنہوں نے اسکی خاطرداری میں دیدہ و دل فرشِ راہ کیئے۔ رمضان ہمارے ربّ کا پیغام تھا ، اطاعت بندگی اور حکمِ آقا پر تمام خواہشات سے دستبردار ہونے کا پیغام ـــ سعید اور بامراد ہوئے وہ جنہوں نے اس پیغامِ ربّانی پر نہ صرف لبیک کہی بلکہ زندگی بھر کے لئے اس پیغام کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ رمضان نے ہمیں تقوٰی اور ایمانی زندگی پیدا کرنے کی تربیت دی۔ کامیاب و کامران ہوئے وہ جنہوں نے اس تربیت سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کیا۔ اب آنے والی عید کی حقیقی مسرتیں بھی ایسے ہی ارواح سعیدہ کیلئے ہیں۔

★

ہلالِ عید چودہ سو سال سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کے نام انعامات و اکراماتِ خداوندی اور روحانی مسرتوں کا پیغام بن کر آرہا ہے۔ دیگر تہواروں کی طرح عید الفطر بھی ایک قومی تہوار نہیں بلکہ عبادت و طاعت کا ایک عظیم الشان مظاہرہ اور حیاتِ ملّی کے احتساب کا دن ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس دن ہم اپنی دینی و ملّی زندگی کا پچھلی زندگی سے موازنہ کریں۔ ہم نے گذشتہ سال اس موقعہ پر اپنے ربّ سے انفرادی اور اجتماعی طور پر جو عہد و مواعید کئے تھے ہم نے کہاں تک انکو پورا کیا۔؟ اس قلیل مدّت میں ہم نے دین و ایمان ، علم و عمل اور تہذیب و اخلاق کی کتنی دولت کمائی؟ اور کیا کچھ کھویا۔؟ آج کے دن ہمیں دیکھنا ہے کہ ہمارے اسلاف نے ایمان و یقین کی بدولت اور

لازوال قربانیوں کے نتیجہ میں ملی روایات اور قومی عظمتوں کا جو سرمایہ فراہم کیا تھا ہم نے اسے برقرار رکھا یا اپنی غفلت اور نالائقی کی وجہ سے اسے اوروں کے ہاتھوں غارت کردیا۔ اگر اس موازنہ میں ہماری سعادتمندی کا حصہ بھاری ہے تو بلاشبہ یہ روز روزِ عید ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں بلکہ ہماری حرمان نصیبی اور محرومیوں کا پلڑا بھاری، اور عظمتوں کا آبگینہ چور چور ہوچکا ہے تو یہ ہلال عید ہمارے لئے صد حسرت و ماتم کا سامان ہے۔ اور جو قوم اپنے ملی احساسات، قومی عظمتوں اور اسلاف کی امانتوں کی امین اور محافظ نہ بن سکی اُسے عید منانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

★

عیدٌ بایّۃ حالٍ عُدتَ یا عیدُ بما مضیٰ ام لامرٍ فیک تجدید

عید کی مسرتوں میں اس "متاعِ گم گشتہ" کو بھی یاد کیجئے جسے آپ بیت المقدس، مسجدِ اقصیٰ اور قبلۂ اوّل کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اور جس کی حفاظت آپ کے اسلاف سیدنا عمرؓ، سیدنا نورالدینؒ اور سیدنا صلاح الدینؒ نے پوری ملت کی عصمت اور آبرو سمجھ کر فرمائی۔ جو ہماری عظمتوں کا نشان اور ہماری فتحمندیوں کی زندۂ جاوید داستان تھا۔ اور اب؟ —— شامتِ اعمال ہی کی وجہ سے پوری ملتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کے لئے ایک چیلنج بن کر رہ گیا ہے —— صدیوں کے بعد یہ پہلی عید ہے کہ اس کا منبر، یہود (خذلہم اللہ) کے قدموں میں پائمال ہو رہا ہے۔ اور یہ پہلا رمضان تھا کہ جامع عمر، مسجدِ اقصیٰ مسجدِ صخرہ کے محراب صائمین و ذاکرین، تائبین اور معتکفین سے سونے پڑے تھے۔ اس کے برآمدے اور محراب تراویح اور قرآن کیلئے ترستے تھے ———— وہ دیکھو! مسجد اقصیٰ اور گنبدِ صخرہ کے میناروں پر سوگوار ہلالِ عید تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ناموسِ دینِ محمدی کے محافظو تمہاری غیرت خوابیدہ کب بیدار ہوگی۔؟ کیا اپنی بیداری کیلئے تم کسی دوسری قیامت کے منتظر ہو۔؟ ————————

—— ع کیا خوب قیامت کا بھی ہوگا کوئی دن اور —— سرورِ کونینؐ کے اسّی کروڑ نام لیواؤ! چودہ سو سال میں پہلی بار ایک مخذول و ذلیل قوم کے ہاتھوں تم سے کتنی بڑی نعمت چھن گئی ہے اور یہ تمہاری ناشکریوں اور خود فراموشیوں کا وبال ہے، اسکی تلافی کے لئے تم نے کیا سوچا۔؟ ——

مسجد اقصیٰ کے پُرعظمت مینار تمہاری بے حسّی پر غم سے نڈھال ہیں، اس کا اجڑا ہوا منبر اپنے اولوالعزم امیر صلاح الدین ایوبیؒ کی یاد میں رو رہا ہے۔ کہ اب تم میں کوئی صلاح الدین نہیں رہا —— گنبدِ صخرہ نوحہ کناں ہے کہ تم مجھے اتنی آسانی سے بھول گئے میں تو آسمانوں سے بھی پرے تمہارے عروج و ارتقاء کی نشانی ہوں —— وہ تمہیں زبانِ حال سے ایمانی ولولہ، آہنی عزم اور بلند حوصلہ پیدا کرنے کی تلقین کر رہا ہے کہ

اٹھو، بیدار ہو جاؤ تم تو اس پیغمبر کی امت ہو جس کی برق رفتاریوں کی تاب یہ ساری بسیط کائنات نہ لا سکی تھی۔ وہ جو ایک ہی رات میں انسانی ارتقاء کے نقطۂ معراج تک پہنچ گئے تھے۔ القدس کی فضاؤں سے آواز آرہی ہے۔ کہ تمہارے مقتدا نبی آخر الزمان سے یہاں تمام انبیاء کرام کی امامت کرائی گئی تھی، کہ اب قیامت تک قوموں کی امامت کا کام اسکی امت ہی کو سنبھالنا تھا۔ کاش! آج کے دن ہمارے زخم تازہ ہو جائیں۔ اور ہمیں احساس ہو کہ سقوط مسجد اقصیٰ کے ساتھ ہماری عظمت و شوکت کی کتنی حقیقتیں افسانے بننے لگی ہیں۔

★

آج کل اخبارات میں جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کے ایک مریض مسٹر لوئی وشکانسکی کا چرچا ہے جس کا مریض دل ڈاکٹروں نے نکالا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی بار اس کے سینہ میں ایک نوجوان عورت کا دل نصب کیا گیا، بلاشبہ سائنس اور سرجری کی دنیا میں یہ ایک انوکھا واقعہ ہے، مگر اتنی غوغا آرائی کا مستحق نہیں کہ گویا انسان نے موت پر قابو پالیا ہو، ہماری علم و حکمت کی یہ تمام کامیابیاں اسباب کے درجہ میں ہیں اور اسباب کا مؤثر ہونا مؤثر حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ اور جب "اجل موعود" اور "وقت مقررہ" آجائے تو تمام کوششیں بے کار اور سارے اسباب جلوۂ سراب بن کر رہ جاتے ہیں۔ بقول کسے

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں ۔ قلم دست کاتب میں جیسے رہے

جس وقت تک خدا نے چاہا تو لوئی وشکانسکی زندہ رہا اور یہ زندہ رہنا علم و سائنس کا منت پذیر نہ تھا۔ جب دلوں کے مالک نے چاہا تو سائنس و حکمت کی تمام جد و جہد کے باوجود اٹھارہ روزہ کشمکش موت و حیات کے بعد اس نے دم توڑ دیا، انسان آج بھی موت کے ہاتھوں ایسا ہی مجبور و بے بس ہے جتنا آغاز تخلیق میں تھا۔ بڑے سے بڑا سائنس دان اور فلسفی اس راہ میں عجز و تقصیر کے اعتراف پر مجبور ہے سینکڑوں برس پہلے امام الفلاسفہ ابن سینا نے اسی حیرت کے عالم میں کہا تھا۔

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل ۔ کردم ہمہ مشکلات عالم را حل
بیرون جستم ز قید مکر و حیل ۔ ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل

کیا اچھا ہوتا اگر یورپ کی سائنس اور سرجری مردہ قلوب میں حرارت دوڑانے کی بجائے عصر حاضر کے تاریک دلوں کو انسانیت اور ایمان سے روشن کرنے میں کچھ مدد دے سکتی۔ دور جدید کا انسان تو چلتا پھرتا لاشہ رہ گیا ہے سچائی اور صداقت، انسانی اقدار اور ابدی حقیقتوں سے تہی دامن اور ایمان کی روشنی سے خالی دل زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ پھر مغربی تہذیب کا اپنا دیس تو عجیب مخمصے

میں ہے۔ وہ خود بلکہ اس کے ہاتھوں پوری انسانیت خودکشی اور موت کے پوراہے پر کھڑی ہے، وہ
پوراہا جسے چاروں طرف سے مادیت اور درندگی، حرص وشہوت، خودغرضی اور لالچ، بے چینی اور
اضطراب مایوسی اور زندگی سے فرار نے گھیر رکھا ہے ——— لوئی وشکانسکی کے "دل" پر
خوشیاں منانے والو تم نے ان "ظالم" اور "مظلوم دلوں" پر بھی کوئی توجہ دی جس کا ذکر ان ہی دنوں
اخبارات میں آیا۔ ان میں ایک تو فوگو لینڈ کی ایک شقی القلب ماں تھی جس نے اپنے تین سالہ بچے
کا دل نکالا اور ٹماٹر میں اسے پکا کر کھالیا۔ (جنگ ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء) اور دوسرا برطانیہ کے ساحلی علاقہ ڈیونڈ
کا انسان نما درندہ "عاشق" تھا جس نے محبوبہ کو ورغلا کر اُسے قتل کیا اسکی لاش سمندر میں بہائی اور اس کا
دل المونیم کے برتن میں جلایا جب دل پوری طرح بھن کر خاک ہوگیا تو اُس نے دل کا سرمہ آنکھوں میں
استعمال کیا۔ اور یہ کیوں۔؟ ۔پولیس کو بیان دیتے ہوئے ملزم ایڈورڈ رینڈ نے کہا کہ میں نے سنا تھا
کہ اس طرح سرمہ استعمال کرنے کے بعد عورتیں دیوانہ وار میری طرف بھاگ آئیں گی (جنگ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۷ء)
یہ وحشت و بربریّت یہ سنگدلی یہ ہوسِ حیوانی یہ قتل و فساد یہ شراب و زناکاری، کیا تمہاری سائنس و
حکمت اس کے سامنے بالکل لاچار اور بے بس ہے۔؟

★

یورپ کے دانشورو! ممکن ہے کہ تم آکسیجن اور الیکٹرک کے ذریعہ مردہ دلوں کو تھوڑی دیر
کے لئے متحرک رکھ سکو مگر انسانیت اور رحمدلی سے عاری ان بے نور دلوں کا تمہارے پاس کوئی
علاج نہیں اور یہ اس لئے کہ خود تمہارا باطن باایں ہمہ علم و دانش تاریک اور مضطرب ہے، ایمان ویقین
اور تصوّرِ آخرت جس سے مردہ دلوں کی مسیحائی ہوتی تھی اور اجڑے ہوئے دل آباد اور معمور ہوتے تھے۔
اس دولت کو تو تم نے پائمال کر دیا اور تمہاری ہی تقلید میں دنیا کی دوسری قومیں اور مسلمان تک بھی اس
دولت سرمدی کو گنوار ہے ہیں۔ اور اب ایمان ویقین کی روشنی سے خالی دلوں کا انجام تمہارے سامنے
ہے کہ تمہاری ایک ہی ریاست مغربی جرمنی میں ہر گھنٹے ایک شخص خودکشی کر رہا ہے۔ اور سال بھر میں خودکشی
کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ (۲۱ر دسمبر ۱۹۶۷ء کے اخبارات بحوالہ رومن کیتھولک نیوز ایجنسی)
اور امریکہ سمیت یورپ کے دیگر علاقوں میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ لوئی وشکانسکی کے دل کو
جوڑنے والو کبھی تم نے سوچا کہ تمہاری اس ملعون دھرتی پر اتنی تعداد میں اپنے ہاتھوں دلوں کو چیرنے کے اسباب کیا ہیں؟

———★———

پچھلے ماہ ۲۵ر نومبر کو ہندوستان کے مشہور صاحبِ مسند وارشاد بزرگ شاہ وصی اللہ صاحب

کا وصال ہوگیا اور وہ بھی عجیب وقت میں تہجد اور نماز فجر کے درمیان اور سفر حج و زیارت پر جاتے ہوئے مظفری جہاز میں، روح مبارک محبوب حقیقیؐ سے ملنے کی اتنی مشتاق تھی کہ اس کے گھر پہنچنے سے قبل ہی رب البیت سے جا ملی۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ قدرت نے جو غیبی انتظامات فرمائے اس کی بنا پر یقین ہے کہ تدفین مدینہ طیبہ کے جنت البقیع میں ہو چکی ہو گی۔ حضرت مولانا مرحوم حکیم الامت مولانا تھانوی کے خلفاء میں بلحاظ جامعیت، فیض رسانی اور افادۂ خلق کے ممتاز شخصیت کے مالک تھے، ہندوستانی مسلمانوں کے ان حالات میں ان کا وجود عافیت اور تسلی کا ایک بڑا سرچشمہ تھا۔ خداوند تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجات عالیہ عطا فرما کر ملت مسلمہ اور ہندوستانی مسلمانوں کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

والله یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق
۲۲/رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کیلئے ان کے درمیان نئے نئے مسائل مجادلات خفیہ تدبیر اور منظم سازش کے تحت پیدا کئے جارہے تھے تاکہ دینی مسائل میں وہ مضطرب ہو جائیں اور اسلام کے مخالفین کو رخنہ اندازی کا موقع مل سکے اور نئے مسلمانوں پر اسلامی تعلیمات کا گہرا اثر نہ ہو۔
چنانچہ عباسی دور کی کتابوں میں، اس قسم کے اشارات ملتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کا زہریلا پروپیگنڈہ کرنے والے کون لوگ تھے۔
جاحظ نے اپنے رسائل میں عیسائیوں کے بعض ایسے افکار کا ذکر کیا ہے جو مسیحیت کی حمایت کے لئے مسلمانوں کے اندر شائع ہو رہے تھے۔
تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوحنا جیسے بعض عیسائی ہشام بن عبدالملک کے دور تک اموی حکمرانوں کے دربار میں موجود رہے ہیں، وہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مجادلہ کی تعلیم دیتے تھے۔

احکام عید و صدقۃ الفطر

صدقۃ الفطر ـــــ صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ (تقریباً ½۶۱۲ گرام) چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں یا زیور یا مال و جائداد یا تجارت کا مال ہو۔ یا ساڑھے سات تولہ (تقریباً ½۸۷ گرام) سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہو یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال بھی گذر گیا ہو۔ اگر کسی کے پاس مال بہت ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنی چھوٹی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی۔ صدقۃ الفطر ایک آدمی کا پونے دو سیر گندم یا ساڑھے تین سیر جو (بوزن انگریزی) یا انکی قیمت ہے۔ اپنے نادار عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر دینا درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقۃ الفطر کئی محتاجوں کو دیدیں تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے عذر سے یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار مال رکھتا ہو۔ صدقۃ الفطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں ہے۔

ترکیب نماز عید ـــــ پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ آخر تک پڑھیں اور دوسری و تیسری تکبیر میں ہاتھ چھوڑ دیں۔ اور چوتھی تکبیر میں پھر ہاتھ باندھ لیں۔ امام فاتحہ و سورت پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔ دوسری رکعت میں بعد فاتحہ و سورت کے تین بار تکبیر کہیں اور ہر بار ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے رہیں۔ پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہتے ہوئے رکوع کریں۔ اس نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ بعد نماز امام خطبۂ ماثورہ پڑھے اور مقتدی خاموشی سے سنیں۔ خطبہ کے بعد دعا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ نماز کے بعد ہی دعا سے فراغت کر لیں۔ نماز عید الفطر سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مستحب ہے۔

معاشیات اسلام کا تفصیلی نظام

معاشیات کا تعلق چونکہ انسان سے ہے اور انسان مختلف پہلو رکھتا ہے۔ چونکہ انسان ایک شخصی وجود رکھتا ہے، اس لئے اس کا ایک پہلو انفرادیت[1] کا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے اجتماعی تعاون کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے اس کا دوسرا پہلو اجتماعیت[2] کا ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ زندہ مخلوق ہے۔ اور اسکی بقاء حیات کے لئے مخصوص اسباب کی ضرورت ہے۔ اس جہت سے وہ معاشیات[3] کا موضوع ہے۔ پھر انسان چونکہ ایک روحانی مخلوق ہے۔ اس لئے وہ روحانیت[4] کا بھی موضوع ہے۔ انسان ایک مخصوص فطرت رکھتا ہے، اس لحاظ سے وہ نفسیات[5] کا موضوع ہے۔ انسان کو چونکہ کائنات اور خالق کائنات دونو سے تعلق ہے، اس لئے انسان کا ایک کائناتی پہلو[6] ہے۔ اور ایک الٰہیاتی[7] پہلو بھی۔ اب جو مفکر انسان پر صرف معاشی حیثیت سے غور کرے گا — وہ خطرناک غلطی کا مرتکب ہوگا۔ جس طرح اگر کوئی انسان دل کا بھی مریض ہو اور معدے کا بھی، پھر دماغی مرض میں بھی مبتلا ہو۔ تو جو ڈاکٹر یا حکیم اگر اس کا علاج بحیثیت مریض قلب کرے گا۔ اور معدے اور دماغ کے مرض کو نظرانداز کرے گا تو ایسی صورت میں اس انسان کی ہمہ جہتی صحت یابی ناممکن ہے۔ اگر

انسانی اعضاء میں بلحاظِ صحت باہمی ارتباط موجود ہے۔ جسکی وجہ سے اسکی کلی صحت تمام اعضائی پہلوؤں کے ممکن علاج کرنے پر موقوف ہے۔ تو ایک انسان کا علاج بھی صرف معاشی نقطۂ نظر سے غلط ہے۔ جب تک اس انسان کا تمام پہلوؤں کے لحاظ سے علاج نہ کیا جائے۔ اشتراکی اور اکتنازی نظریات میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان مفکرین نے انسان کے صرف ایک پہلو (معاشی) پر نظر ڈالی اور باقی تمام پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کیا۔ اس لئے الجھنیں بڑھتی گئیں، اور معاشی مسئلہ بھی حل نہ ہوا۔

اسلام کا ہمہ جہتی معاشی حل

اسلام چونکہ دین الٰہی ہے، جسکو تمام انسانی پہلوؤں پر نظر ہے۔ اس لئے اس نے انسانی انفرادیت کو بھی قائم کیا۔ اور جائز طریقوں سے انسان کو رزق کمانے اور شخصی ملکیت برقرار رکھنے کی پوری آزادی دی اور کوئی طاقت اسکی اس فطری آزادی کو سلب کرنے کی مجاز نہیں۔ قرآن پاک کا اعلان ہے: ان لیس للانسان الا ماسعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ۔ ہر انسان اپنے جائز اکتساب مال کیلئے سعی کرنے میں آزاد ہے۔ اور اسکی کوشش کا ثمرہ صرف اسی کا حق ہے۔ بیہقی کی حدیث ہے کہ طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ ۔ دینی فرائض کے بعد رزقِ حلال کمانا بھی انسان پر فرض ہے۔ اذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو زمین میں تلاش معاش کے لئے پھیل جاؤ۔ ان ہدایات میں معاشی ضروریات کے لئے سعی وعمل کی دعوت ہے۔ اور عمل کا بڑا محرک فطرۃً شخصی ملکیت کا تصور اور اختصاص و انفرادیت کا جذبہ ہے۔ اس فطری امر کو اسلام نے برقرار رکھا، بلکہ ان ہدایات کے ذریعہ اسکو عمل پر ابھارا۔

اجتماعیت

لیکن انفرادیت کا تقاضا پورا کرنے کے بعد اسلام نے انسان کے اجتماعی پہلو کے متعلق بھی ہدایات دیں۔ اور اجتماعی دائرے کے فرائض سے بھی اس کو آگاہ کیا۔ اسلام نے انسان کو یہ تصوّر دیا کہ پوری انسانیت ایک برادری ہے اور ایک ہی کنبہ ہے۔ اور ایک ماں باپ کی اولاد ہے۔ یا ایھا الناس خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔ اے انسانو! میں نے تم سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا۔ اور تمہاری قومیں اور ذاتیں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کا حق پہچانو۔۔۔ روح المعانی ج ۲۶ صـ ۱۶۲ میں ہے کہ لیعرف بعضکم بعضاً فتصلوا الارحام وتبینوا الانساب والتوارث لا لتفاخروا الخ۔ یعنی یہ کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اور حق قرابت ادا کرو اور انساب پہچان کر میراث کو اس کے مطابق تقسیم کرو۔ نہ اس لئے کہ تم

ایک دوسرے پر بڑائی جتلائے بیہقی حضرت انسؓ سے مرفوعاً حدیث نقل کرتے ہیں : الناس عیال اللہ احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ ۔ تمام اولاد آدم اللہ کا کنبہ ہے ۔ اللہ کو سب مخلوق میں وہی محبوب ہے ، جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے ۔ وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم قابل تعریف وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ اور قانونی واجبات کے علاوہ اپنے اموال میں سے سائل اور بے مال کو مالی مدد دینا اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں ۔ یہی تفسیر مجاہد ابن عباس سے روح المعانی میں مرقوم ہے ۔ اب جو قومیں خواہ روس ہو یا امریکہ ، وحدت بشری کے اس فطری اجتماعی مسئلہ کو نظرانداز کرے تو اس قوم کی ساری کوشش اس حیثیت سے ہوگی کہ روسی امریکی قوم سربلند ہو ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ باقی اقوام کو مغلوب اور مفلس اور قلاش بنا کر صرف ایک قوم کا پیٹ بھرنا اس کے پیش نظر رہے گا ۔ اور اسکی وجہ سے عام معاشی عالمی حالت خراب ہو جائے گی ۔ جیسے آجکل کا مشاہدہ ہے ۔ کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق نصف انسانی آبادی روٹی سے محروم ہے ۔

انسان کا روحانی پہلو

انسان ایک روحانی مخلوق بھی ہے ۔ اگر اس کو اللہ سے ربط ہو ۔ اور نتائج اعمال اور مکافات عمل کا یقین ہو ۔ تلب ، بخل ، حرص ، تکبر اور حب ذات اور حب قوم کی گندی آلائشوں سے پاک ہو تو اسکی اپنی معاشی حالت بھی ٹھیک ہوگی ۔ اور دوسرے انسانی افراد کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا ۔ اور کوئی دوسرا انسان اس کے ظلم کا شکار نہ ہوگا ۔ لیکن اگر خود انسانی روح ناپاک ہو تو اس کا وجود دوسرے انسان کے لئے وبال ہوگا اور ہر وقت دوسرے انسان اس کے جانی و مالی مظالم کے تختۂ مشق بنتے رہیں گے ، قوانین خواہ اچھے ہوں یا برے ، لیکن ان کو نافذ کرنے والا بہرحال انسان ہی ہوگا ۔ جب انسان کی روحانیت بگڑی ہوئی ہو ، تو قوانین چاہے عادلانہ ہوں وہ کیا کرسکتے ہیں جسکی چشم دید دلیل دور حاضر کی بڑی طاقتیں ہیں ۔ جو آئے دن ضعیف اقوام کو تباہ کر رہی ہیں ۔ اور ان کو اقوام متحدہ نہ روک سکتی ہے ، اور نہ زبان سے ظالم و جارح کو ظالم و جارح کہہ سکتی ہے ۔ خود ویٹ نام میں امریکہ کی تباہ کن کاروائی اور عرب کے خلاف بڑی طاقتوں کے اشارہ پر یہود کے مظالم اس امر کی واضح دلیل ہیں ۔ کہ اقوام متحدہ کو زبانی اور قلم ہلانے کی بھی یہ ہمت نہیں کہ برے کو برا کہہ سکیں ۔ قرآن نے صحیح فرمایا : قد افلح من ذکٰھا وقد خاب من دسّٰھا ۔ کامیاب ہوا وہ انسان جو روح کو پاک کرے ، اور ناکامیاب ہے وہ انسان جس نے اغراض و مصالح دنیوی کی گندگی سے روح کو آلودہ کیا ۔

انسان کا نفسیاتی پہلو

انسانی نفس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ قدرت نے انسان میں مال کی محبت رکھی ہے ، جسکی حکمت یہ ہے ۔ کہ اگر انسان میں

کلیتہً حب مال نہ ہو تو وہ طلب مال چھوڑ دے گا۔ جس سے دنیا کی رونق بھی ختم ہو جائے گی اور چونکہ مال ہی سے انسانی زندگی قائم ہے۔ پس مال اگر نہ ہو تو خود انسان بھی ختم ہو جائے گا، یہی وہ فطری محبت ہے جسکو قرآن ان بلیغ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۔ اس آیت میں دنیوی محبوبات کی پوری تفصیلی فہرست بیان کی گئی کہ انسان کو فطرۃً انسانوں میں سے بیویوں اور اولاد سے محبت ہے۔ اور جمادات میں سونے چاندی کے انباروں سے اور حیوانات میں عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں سے اور نباتات میں سے کھیت اور فصلوں سے۔

دوسری آیت میں یہ بتایا گیا۔ کہ انسان مال کی محبت میں حد سے زیادہ حریص اور شدید ہے۔ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۔ اس لئے معاشی نظام کی درستی کے لئے انسان کے اس نفسیاتی جذبہ کی اصلاح اور اسکو اعتدال پر لانا ضروری ہے۔ جس کے لئے اسلام نے مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

۱۔ مذکورہ فہرست کے بعد قرآن کا ارشاد ہے: ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۔ یہ مذکورہ چیزیں چند روز فائدہ اٹھانے کا سامان ہیں۔ اور اللہ کے پاس وہ چیز ہے جو انجام حیات کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا: بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۔ اس دور حیات کے فوائد کو تم ترجیح دیتے ہو۔ اور زندگی کا اصلی آخری دور عمدگی میں دنیا سے بڑھ کر ہے، اور پائدار بھی ہے۔ قرآن چونکہ خدائے حکیم کا کلام ہے۔ اس لئے وہ نفسیاتی گر سے واقف ہے۔ کہ مال اور دنیوی فوائد کی فطری محبت توڑی نہیں جاسکتی، البتہ موڑی جاسکتی ہے۔ یعنی اس محبت کا ازالہ نہیں ہوسکتا، البتہ امالہ ہوسکتا ہے۔ یعنی اس محبت کا رخ ایک بڑے محبوب کی طرف پھیرا جاسکتا ہے۔ اس لئے قرآن نے گذشتہ آیات میں دنیوی نعمتوں کا اخروی نعمتوں کے ساتھ موازنہ کیا۔ کہ اُخروی نعمتوں میں بلحاظ انجام حسن ہے۔ لیکن دنیوی نعمتوں کا انجام فنا ہے۔ اور اخروی نعمتیں دنیوی نعمتوں کی بہ نسبت بہتر ہیں۔ اور یہ بہتری اگرچہ لامحدود ہے۔ لیکن اگر ان دونوں کے تفاوت کو پتھر اور سونے کے درمیان جو تفاوت ہے اس کے مماثل قرار دیا جائے۔ تو بھی کوئی عاقل سونے پر پتھر کو ترجیح نہیں دے گا۔ اور نہ سونے سے پتھر کو زیادہ محبوب سمجھے گا۔ اور دوسرا موازنہ دوام اور البقاء ہونے کا موازنہ ہے۔ اگر کسی عاقل کو کہا جائے کہ تم اگر چاہو تو میں تم کو ایک من پتھر چند دن کیلئے دونگا، اور پھر واپس لوں گا۔ اور اگر چاہو تو ایک من سونا ہمیشہ کیلئے دونگا تو یقینی بات

ہے۔ کہ چند روز کیلئے پتھر حاصل کرنے کی نسبت دوامی طور پر ایک من سونا کا مالک بن جانے کو زیادہ محبوب جانے گا۔ اس لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کا رخ دنیا سے آخرت کی محبوبات کیطرف پھیر کر انسان کے اس حرص دنیا و لالچ کا خاتمہ کر دیا۔ جس سے انسان کی معاشی حالت پر ضرب پڑتی تھی۔

۲۔ دوسری طرف اسلام نے یہ ہدایت دی کہ انسان کے تمام مفاسد کی جڑ حُبِّ دنیا ہے۔ ظلم اور دوسرے انسانوں کی حق تلفی، چوری ڈاکہ، سود، رشوت، خیانت، بے اصولی ان سب کا اصلی سبب حُب دنیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: حُبّ الدنیا راس کل خطیئۃ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: اما من طغیٰ واثر الحیٰوۃ الدنیا فانّ الجحیم ھی الماوٰی۔ جس نے ظلم اور سرکشی اختیار کی۔ اور دوسروں کا حق مارا اور آخرت کی پائدار اور محبوب زندگی پر دنیائے فانی کی حقیر زندگی کو ترجیح دی۔ تو اس نے جحیم اور دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنایا۔ الغرض ان ہدایات نے معاشی لوٹ کو ختم کیا۔ اور انسانی محبت مال کو اپنے دائرہ کے اندر رکھا۔

۳۔ حُبِّ مال جو انسانی معاشرہ کیلئے منبعِ فساد ہے، اس کے امالہ کے لئے عملی مشق کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے اسلام نے ایسے عملی قوانین عطا کئے۔ کہ انسانی حرص اور حُبِّ مال اس کی عملی مشق کی وجہ سے مغلوب ہو اور اس میں بنی نوع انسان پر مال صرف کرنے کی عادت پختہ ہو جائے اس کے لئے قانونِ زکوٰۃ کے تحت اموالِ تجارت میں نصاب اور سال گذر جانے کی شرط کے تحت اڑھائی فیصد محتاج طبقہ پر صرف کرنا لازم قرار دیا۔ اسی طرح زمینی پیداوار میں اگر آبپاشی آسان ہو تو اس کا دسواں حصّہ اور اگر مشکل ہو تو بیسواں حصّہ محتاجین کا لازمی حق قرار دیا گیا۔ اس طرح مخصوص جرائم کے کفارہ کیلئے قانون نافذ کیا۔ کہ اگر روزہ توڑے یا بیوی کو یہ کہہ دے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے ماں کی پشت تو ساٹھ محتاجوں کو دو وقت کھانا یا کپڑے دینے پڑیں گے۔ اسی طرح اگر قسم توڑ دے تو اس کے کفارے میں دس محتاجوں کو کھانا یا کپڑا دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے صدقاتِ نافلہ کی ترغیب دی بلکہ اس میں اس حد تک ہدایت دی۔ کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو۔ اس کو محتاجوں پر تقسیم کرو۔ ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ محتاجوں پر کس قدر خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جس قدر مال ضرورت سے زائد ہو۔

انسان کا کائناتی پہلو

انسان کو اس لحاظ سے بھی دیکھنا ضروری ہے۔ کہ وہ کل کائنات کا ایک اہم جزو ہے۔ جزو ہونے کے لحاظ سے بھی اس کے فرائض

ہیں۔ وہ یہ کہ وہ کائنات کے لئے موجب تعمیر ہو نہ موجب تخریب، انسان دور حاضر کائنات کے لئے تخریب کا سبب ہے۔ اگرچہ اس نے تعمیر کائنات میں بھی حصہ لیا، اور لے رہا ہے۔ لیکن اس کی تخریب تعمیر پر غالب ہے۔ بالخصوص اس ایٹمی دور میں جبکہ انسان جدید نے نہ صرف اہلاک انسان بلکہ اہلاک نباتات و عمارات، فساد آب و ہوا کے لئے وہ خطرناک سامان تیار کئے۔ کہ صرف ایک میزائیل تین کروڑ انسانوں کی تباہی کے لئے کافی ہے۔ اور ایک جراثیمی بم جو تین چھٹانک وزن کا ہے۔ برطانوی سائینسدان کی تحقیق کے مطابق تمام کرۂ ارض کی تباہی کے لئے کافی ہے جس سے جاندار، بر و بحر، ہوا اور زمین کی قوت نامیہ سب تباہ ہو جائیں گے۔ یہ وہ حکمت تخریب ہے ۔

کشد گرد اندیشہ پر کار مرگ   ہمہ حکمت او پرستار مرگ

غیر سائنسی دور کے ہزاروں سالوں کی کائناتی تباہی سے دور سائنس کی ایک گھنٹہ کی تباہی زیادہ ہے۔ اس تباہی کا لازمی نتیجہ معاشی انحطاط ہے بلکہ اس سے ذرائع معاش اور ان ذرائع سے کام لینے والے انسان سب تباہ ہو جائیں گے۔ اور زمین کاشت کے قابل نہ رہے گی۔ اور پانی میں جراثیم پھیل کر انسانی عیش اور زندگی کا خاتمہ ہو گا۔ اور جو چیزیں انسان کے لئے مدار حیات ہیں۔ وہ خاکستر کا ڈھیر بن جائیں گی ۔

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوا ے اکبر   اڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمین آیا

ولاتکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا۔ تم اس نادان عورت کی طرح مت ہو جو اپنی محنت سے مضبوط کاتے ہوئے سوت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتی تھی۔

انسان کا الٰہی پہلو

انسان کلیۃً آزاد نہیں، وہ کائنات کے حاکم اعلیٰ کے ماتحت ہے۔ اس کے ہاتھ میں جس قدر معاشی اور غیر معاشی نعمتیں ہیں۔ وہ اسی حاکم اعلیٰ کی امانت ہے۔ اور اسی کے حکم کے تحت حاصل کی جائیں گی۔ اور اسی کے حکم کے ماتحت صرف ہوں گی۔ اس لئے اس نے اکتساب مال پر پابندی لگائی ہے۔ تاکہ سرمایہ دارانہ مفاسد پیدا نہ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مال حلال ذریعہ سے حاصل کیا جائے، نہ حرام ذریعہ سے۔ تاکہ سرمایہ دارانہ طغیان اور سرکشی پیدا نہ ہو۔ اس لئے اس نے ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ یعنی تم ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ کہہ کر باطل کمائی کے تمام دروازے بند کئے، خواہ استعمار ہو، استحصال بالجبر ہو، رشوت و سود ہو، ظلم خیانت چوری ہو۔ یہ قانون اسلامی کی اکتسابی تحدید ہے۔ مجموعہ دولت چونکہ

مجموعہ افرادِ انسانی کا ذریعہ معاش ہے۔ اگر ایک انسانی طبقہ ناجائز ذرائع سے مال بڑھائے گا تو دوسرے طبقے میں اسی تناسب سے مال کی کمی پیدا ہوگی۔ کیونکہ ناجائز ذرائع کا استعمال دو انسانوں کے درمیان ہے۔ انسان اور غیر انسان کے درمیان نہیں۔ جب ایک طبقہ کے پاس ناجائز ذرائع سے مال آئے گا، تو جس انسان کے ساتھ اس نے ناجائز معاملہ کیا۔ اس کے پاس مال کی کمی پیدا ہوگی اور توازن معاشی بگڑ جائے گا۔

انفاقی تحدید | اسلام نے دوسری تحدید اور پابندی مال خرچ کرنے پر لگائی کہ وہ ناجائز کاموں میں صرف نہ ہو، جو تبذیر ہے۔ اور نہ بے ضرورت خرچ ہو، جو اسراف ہے۔ بلکہ خرچ میں اعتدال قائم رکھا جائے۔ ولا تبذر تبذیرا انّ المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربہ کفورا۔ تم ناجائز کاموں میں مال صرف نہ کرو کہ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان خدا کی نعمت کا ناشکر گذار ہے۔ دیکھیئے! قرآن نے اس جرم کے لئے کس قدر سخت لفظ استعمال کیا۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کلّ البسط فتقعد ملوما محسورا۔ تم خرچ کے وقت نہ ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھے رکھو کہ ضرورت پر بھی خرچ نہ کرو۔ اور نہ بہت پھیلا کر رکھو۔ کہ غیر ضروری اشیاء پر خرچ کرنے لگ جاؤ۔ پہلی صورت میں بخل کا الزام لگ کر رسوا اور ملامت زدہ ہو جاؤگے۔ اور دوسری صورت میں خود غریب اور درماندہ ہو جاؤگے۔ حدیث میں آیا الاقتصاد نصف المعیشۃ۔ خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت کو درست کرنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ البذاذۃ من الایمان۔ سادہ زندگی ایمان کی علامت ہے۔ خود حضور علیہ السلام خلفاء راشدین، صحابہ کرام اور مقبول بارگاہِ الٰہی نے سادہ زندگی گذاری۔ ان ہدایات کی حکمت یہ ہے کہ جب مال ناجائز محل میں یا بے جا صرف ہوگا۔ تو بچت نہ ہوگی اور وہ محتاج طبقہ پر کچھ صرف نہ کر سکے گا۔ اگر صرف بے جا کی وجہ سے مال ہی نہ رہا تو غریب طبقہ کی خبر گیری کیسے کر سکے گا۔ اور محتاجوں پر خرچ کرنے کے لئے اس کا ہاتھ خالی ہوگا۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت کا رخ بے جا محل سے موڑ کر کار خیر، غربا اور اشاعت دین کے کاموں کی طرف متوجہ کرے اور یہی چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے معاشی حالت میں بھی توازن پیدا ہوگا اور نیکی بھی پھیلے گی جس سے دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی۔ یورپ کے صرف بے جا کی تفصیل گذر چکی ہے۔ جو عدم توازنِ معاشی کا اصلی سبب ہے۔

تقسیم دولت | اسلام نے ایسے قوانین عطا کئے، جس سے زندگی میں بھی دولت زیادہ سے زیادہ حرکت کرے۔ اور مرنے کے بعد بھی۔ زندگی میں قانون خمس؛

قانون زکوٰۃ، قانون عشر و نصف عشر و ربع عشر، قانون کفارات، قانون صدقۃ الفطر، قانون اداء نذور، اعطاء سائل و محروم اور اعطاء زائد عن الضرورت ایسے قوانین ہیں جس سے دولت تقسیم ہو کر متحرک ہو جاتی ہے۔ اور معاشی سطح متوازن ہو جاتی ہے۔ ادیان عالم اور قوانین انسانیہ میں ایسے مکمل نظام کی نظیر موجود نہیں۔

انسان جب مر جاتا ہے، تو یورپ کے قانون میں اکبر الاولاد یعنی سب سے بڑا بیٹا یا بیٹی وارث ہوتے ہیں۔ گویا ایک سانپ خزانے سے ہٹا اور ایک دوسرا اس کی جگہ بیٹھ گیا۔ باقی رشتہ داروں کو صرف گذارہ دیا جاتا ہے۔ ہندو اور منو دھرم شاستر میں صرف لڑکے وارث ہیں، لڑکیاں وارث نہیں۔ لیکن اسلام نے وراثتی تقسیم کا مکمل نظام مقرر کیا، کہ اس میں کل اولاد ذکور و اناث، بیویاں، والدین، بھائی بہنیں اور چچے بھتیجے سب حسب ترتیب مقرر حقدار ہوتے ہیں۔ جن کی تین قسمیں ہیں۔ ذوالفروض، عصبات، ذوالارحام وغیرہ۔ میں نے اپنی اردو تصنیف شرعی ضابطہ دیوانی میں اس کو مفصل لکھا ہے۔ اگر مذکورہ ورثا موجود ہوں، تو پھر میت کا کل ترکہ بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق بن جاتا ہے۔ یہ مختصر خاکہ ہے۔ جو ہم نے اسلامی معاشی نظام کے سلسلے میں پیش کیا۔

یورپ اور امریکہ نے آخرت اور دین کو تو چھوڑا صرف روٹی کی تقسیم کا مسئلہ ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس تقسیم کا جو نتیجہ ہے۔ وہ ہم نے اس مقابلہ میں نقل کیا ہے۔ کہ اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ ہے کہ انسانوں کی نصف آبادی بھوکی اور امراض میں مبتلا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ نحن قسمنا بینھم معیشتھم۔ کہ روٹی کی تقسیم ہم نے کی ہے جسکی تفصیل ہم نے ابھی بیان کی اس لئے اسلام نظام معاشی کے دور میں نووی نے شرح مسلم میں تصریح کی ہے۔ کہ عمر بن عبدالعزیز مال کے لئے لوگوں کو بلاتے تھے۔ لیکن کوئی نہ آیا — تقسیم رزق کا کام تھا جب انسان ناقص نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو نصف دنیا بھوکی ہو گئی اور یہ یقینی بات ہے کہ جو کام کمشنر یا گورنر کے کرنے کا ہو اسکو کوئی چپراسی ہرگز انجام نہیں دے سکتا۔ تو آئین تقسیم رزق جو خدا کا کام ہے اسکو ضعیف انسان جو خدا سے بدرجہا کم اہلیت رکھتا ہے، کیسے انجام دے سکے گا۔ یورپ نے جب تقسیم رزق کا مسئلہ ہاتھ میں لیا۔ تو لوگوں کو امید تھی کہ اب روٹی کی فراوانی ہوگی۔ لیکن الٹا ہوا کیا۔ بقول اکبرؔ

تھے فکر میں کیک کے سو روٹی بھی گئی ۔۔۔ چاہی تھی بڑی چیز سو چھوٹی بھی گئی
اپنی تو ہوئی وہی مثل اے اکبرؔ ۔۔۔ پتلون کے فکر میں لنگوٹی بھی گئی

★

ضبط و ترتیب "ادارہ الحق"

آزمائش دنیا کا علاج عبادت ہے

(خطبہ جمعۃ المبارک ۲۲ جمادی الثانی ۹۷ھ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد : من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه۔ جسکو عمل نے پیچھے کر دیا اسے نسب آگے نہیں بڑھا سکتا ——— محترم بھائیو ! ہمارے اور آپ کیلئے خیر و بہبود اور فائدے کی چیز صرف عمل صالح ہی ہے۔ اگر نیک عمل والے بن گئے تو دنیا، آخرت اور قبر کی زندگی تینوں میں کامیابی ہے، اور اگر خدانخواستہ برے عمل والے ہوئے تو پھر چاہے ہمارا مال بہت زیادہ ہو، ہمارا نسب اونچا ہو، ہماری جسمانی طاقت زیادہ ہو جائے، یہ سب نعمتیں ہمارے لئے وبالِ جان بن جائیں گی ——— اور انسان کا عمل اس کے کام آئے گا۔

حضورؐ سے نسبی اور روحانی رشتہ | بھائیو ! انبیاء کرام سے جن کا رشتہ نسبی ہے وہ تو بڑے خوش قسمت ہیں، اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ مگر جن کو روحانی رشتہ میسّر ہوا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بنے وہ بھی سعادت مند بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں دنیا و آخرت میں اور برزخ میں محسوب فرما دے۔ فی الحقیقت ہمارا تو کوئی سہارا نہیں، اعمال کا کوئی معتد بہ وسیلہ نہیں، سوائے اس کے کہ یہی ایک ذریعہ ہے۔ کہ یا اللہ ہم تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں، تو یہ رشتہ بہت بڑی سعادت ہے جسے میسّر ہو جائے ——— ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے سوائے اس رشتہ کے جو میرے ساتھ کسی کا ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی سے نکاح

فرمایا۔ شیعوں نے تو کیا کیا دشمنی اور عداوتیں ان کے درمیان بنا رکھی ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؓ خسر ہیں اور حضرت عمرؓ داماد۔ حضرت علی مرتضیٰ اگر حضرت عمرؓ کو خلیفہ برحق نہ سمجھتے تو رشتہ صہریت قائم نہ کرتے بیٹا جن کو برحق نہ سمجھے وہ تو مقابلے میں کربلا کے میدان میں سربکف ہو کر شہید ہو اور باپ جسکو خلیفہ برحق نہ سمجھے اس سے رشتۂ دامادی بھی قائم فرمائیں۔ تعجب ہے شیعوں پر کہ حضرت حسینؓ تو خاندانِ نبوت اور اپنے آپ کو شہادۃ کیلئے پیش کریں اور حضرت علیؓ بقول شیعہ تقیہ کر کے صاحبزادی کو حضرت عمرؓ کے نکاح میں دیدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے آپس میں اختلاف کے قصے شیعوں کے من گھڑت ہیں۔ علاقہ صہریت کے بعد ان کے درمیان جو باہمی احترام و پاسِ حقوق اور محبت ہو گی اُس کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو ان کی صاحبزادی کیلئے خطبۂ نکاح دیا۔ حضرت عمرؓ کیلئے اگر وہ چاہتے تو بیویوں کی کمی نہ تھی۔ مگر حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سے رشتہ کر لوں تو حضورِ اقدسؐ سے اور رشتوں کے علاوہ یہ میرا ایک قریبی رشتہ بھی قیامت کے دن کام دے گا، اور قیامت کے دن میری رفع درجات کا ذریعہ ہو گا۔۔۔ تو خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کا کوئی نہ کوئی تعلق اور ربط حضورِ اقدسؐ سے ہے۔ اور ہمارا امتی ہونا بھی آپ کا روحانی باپ ہونا اور ہمارا اولاد بننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وازواجہٗ اُمھاتھم ۔۔۔ جب حضورؐ کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں تو حضور روحانی باپ بنے! اور قیامت کے دن یہ رشتہ ہمارے کام بھی آئے گا۔ تمام انبیاء نفسی نفسی کہیں گے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امتی امتی پکاریں گے، امت کیلئے فکرمند ہوں گے۔ اور امت کی شفاعت کریں گے۔ مگر حضورِ اقدسؐ کے ساتھ اس رشتہ کی برکتیں تب پوری طرح حاصل ہو سکتی ہیں جب عمل صالح بھی موجود ہو۔ کہ اصل ملار اور بنیادی چیز شریعت نے عمل کو قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ ایک دفعہ نیند سے بیدار ہوئے۔ انبیاء کا خواب دیکھنا بھی وحی ہوتا ہے تو حضورؐ نے فرمایا آج رات بے حساب خزانے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو عطا فرمائے ۔۔۔ ماذا انزل اللیلۃ من الخزائن وماذا انزل من الفتن۔ یہ کس قدر خزانے نازل کئے گئے۔؟ یہ اس وقت کی بشارت ہے، جب مسلمانوں کی ایک گاؤں پر بھی حکومت نہیں تھی۔

اسلام کی مادی برکتیں

حضورؐ نے اس حالت میں بشارت دی جس کا ظہور تھا کہ کسریٰ اور قیصر کے خزانے اونٹ کے چرواہوں کو مل گئے۔ یہ اسلام کی برکت ہے کہ اسلام کی نعمت کی وجہ سے مسلمان حکومت، ملک اور تخت و تاج کے مالک ہوئے اور اس وقت سے لیکر اب تک

ایسا ہی ہے۔ کیا ہم پاکستان کے مالک نہیں؟ یہ ملک صرف اسلام کے نام پر ہمیں نہیں ملا؟ کیا آج ہم کابل کے مالک نہیں؟ ایران اور عراق انڈونیشیا اور ترک کے مالک نہیں ہیں؟ یہ سب ممالک خزانے ہیں جن کی خوشخبری حضورؐ نے دی۔ کیا خزانوں کی کنجیاں آج بھی حضورؐ کی امت کے ہاتھ میں نہیں؟ آج دنیا کا زیادہ تر پیٹرول اور سونا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، پھر اس وقت اللہ نے خلفاء راشدین کے دور میں جو انعامات و کرامات فرمائے اس کا تو کوئی حد و حساب نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ فتنے بھی بہت اتر آئے ان خزانوں کے ساتھ، آزمائش اور ابتلاء کا سامان بھی خدا نے کر دیا۔

مال کا فتنہ ہر امت کیلئے فتنہ اور آزمائش کی چیز خدا نے مقرر کر دی۔ اس امت کیلئے مال سب سے بڑا فتنہ ہے۔ مال آیا تو فتنے بھی آ گئے مسلمانوں کے درمیان یہ خانہ جنگی اور پارٹی بازی، گھر گھر جھگڑے اور فساد کس وجہ سے ہیں۔ ایک پارٹی کہتی ہے میں وزارت اور صدارت حاصل کروں، دوسری کہتی ہے کہ مجھے حکومت کے سب اختیارات حاصل ہو جائیں۔ ممبری اور وزارتوں پر جھگڑے ہیں، جتنا مال بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی انسان دن رات شراب گناہ اور جوابازی میں مست پڑا رہتا ہے اپنے کے علاوہ دوسروں پر نظر ہی نہیں پڑتی۔ پھر دولت کے ساتھ حکومت بھی حاصل ہو تو دو آتشہ نشہ ہو جاتا ہے اور گویا فرعون بن جاتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی شان صحابہ کرامؓ کی بیس سال تک حضورؐ نے تربیت کی اخلاق و عادات کی اصلاح کی۔ صحابہ کرامؓ کے ہاتھ میں جب حکومت آئی تو انکی حالت نہ بدلی ابوعبیدہ بن الجراحؓ شام کے سب سے بڑے حاکم تھے گویا اس وقت کے گورنر جنرل تھے۔ جمعہ کے دن نماز کیلئے تاخیر سے نکلتے اور فیصلے بھی اس دن نہ کرتے، کسی نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے تفتیش کرائی۔ باتوں باتوں میں ان سے وجہ پوچھی کہ آپ تاخیر سے نماز جمعہ کیلئے نکلتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ دراصل میرا ایک ہی جوڑا کپڑے ہیں۔ جو جمعہ کے دن دھولیتا ہوں اور خشک ہونے کے بعد انہیں پہن کر باہر آتا ہوں، لباس نہ ہونے کی وجہ سے نہیں نکل سکتا۔ مکان میں (جو گویا اس وقت گورنر جنرل کی کوٹھی ہے) صرف ایک چٹائی بچھی ہوتی، ایک تھیلا لٹکا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ خشک روٹی کے ٹکڑے پڑے ہیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ مغرب کے وقت اس سے روزہ افطار کرتا ہوں تو کہا کہ آپ تو شام کے گورنر ہیں، اس علاقے سے باہر ممالک کو غلہ کی سپلائی ہو رہی ہے۔ پھر آپ تازہ روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ جواب ملا سب کچھ یہاں کافی ہے، کوئی کمی نہیں۔

الحمدللہ ——— مگر خدا تعالیٰ سے میں نے عہد کیا ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں جو حالت اور طور طریقے تھے اسے نہ بدلوں گا۔ اس وقت ہمارا ایک ہی لباس ہوتا، خشک روٹی ملتی۔ اور اب جب بادشاہی اور حکومت آگئی تو کیا ہم وہ طریقے چھوڑ دیں۔ تو یہ تو ایسے لوگ تھے ——— ایازؔ محمود غزنوی کے ہاں وزراء سے بھی اونچا مقام رکھتا تھا ایک وقت تھا کہ یہ پانڈی اور قلی تھا اور ٹاٹ کا لباس پہن کر مزدوری کرتا تھا۔ بادشاہ سے تقرب کے بعد جب شاہی دربار میں ہوتا تو جواہرات سے بھرا ہوا خلعت فاخرہ پہنے ہوتا۔ مگر جب گھر جاتا تو وہ کپڑے اتار کر مزدوری کے زمانہ کے کپڑے پہن لیتا اور آئینہ کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ "ایاز قدر خود را بشناس" ——— کہیں گھمنڈ میں نہ آجاؤ آج اپنی حیثیت کو بھول نہ جاؤ اگر آج محمود غزنوی کی ساری سلطنت تیرے ہاتھ میں ہے کہ اس کے منظورِ نظر ہو تو یہ خدا کی مہربانی اور کرم ہے کہ آج تجھے یہ مقام و منزلت ملا۔ تو جس میں ایمان ہو اسکی حالت نہیں بدلتی ورنہ مال و دولت بڑی خطرناک شے ہے۔ الوضیعُ اذا ارتفع تجبّرَ خسیس شخص جب اونچا ہو جائے تو سرکشی اختیار کر لیتا ہے۔ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے جس میں تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے۔ ایک گنجا تھا، ایک اندھا اور ایک برص کا مریض۔ تینوں کو خدا نے دولت دی خداوند کریم نے ایک فرشتہ کو انسان کی شکل میں ان تینوں کے پاس بھیجا۔ تینوں نے مرغوب مال کیلئے دعائی درخواست کی۔ رب العزت نے مال عطا کر دیا۔ صحت عطا فرمائی، عزت دی۔ چند سالوں کے بعد خدا نے امتحان کرنا چاہا تو اس فرشتہ کو انسان کی شکل میں محتاج و سائل کی صورت میں بھیجا۔ نابینا کے پاس جب فرشتہ بصورت محتاج بن کر آیا اور اس نے کہا کہ خداوند کریم کا حق ادا کرو، تو اس نے جواب دیا کہ آج جس قدر مال تمہیں ضرورت ہو لے جاؤ میں تو نابینا تھا خداوند کریم نے اپنے فضل سے یہ مال دیا ہے۔ یہ اسی کا مال ہے لے جاؤ۔ یہ امتحان تھا جس میں نابینا کو کامیابی کی خوشخبری ملی اور مال کی زیادتی میسر ہوئی۔ اس کے بعد برصی کے پاس جا کر کہا کہ خدا نے تم پہ بڑی مہربانی کی ہے۔ اس کا حق بھی اپنے اوپر مان لو۔ اس نے کہا اور بہت حقوق ہیں۔ صبح شام لوگ آتے رہتے ہیں کس کس کا حق پورا کریں۔ اسطرح فرشتہ گنجے کے پاس بھی گیا اور اسکو سابقہ حالت یاد دلا کر کہا کہ خدا نے آپ کو صحت دی لوگ آپ سے بھاگتے پھرتے تھے، کوئی آپ کو نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ اس نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ کہ نہیں میرے تو باپ دادے نواب تھے میں نسلاً بعد نسلاً معزز اور رئیس چلا آرہا ہوں۔ یہ ہے مال کا فتنہ ——— ہاں حضرت ابو عبیدہ کے پاس مال آیا تو وہ نہ بدلے۔ حضرت عمرؓ کے پاس حکومت آئی تو انہوں نے لباس کے پارہ پارہ پیوند ترک نہ کئے۔ مگر ہم جیسے کمزوروں کے پاس

مال آئے تو حالت بہت خراب ہو جاتی ہے۔ آج سینما، تھیٹر، کچہریاں مسلمانوں سے بھری پڑی ہیں، یہ مال کا نشہ اور خرابی ہے۔ آج کسی کو سڑک پار کرنے کا موقع نہیں ملتا موٹروں کی اتنی کثرت ہے۔ یہ وہی مسلمان ہیں جو اکثر ہندوؤں کے ساتھ پانڈی تھے اور مزدور تھے۔ کچھ انگریزوں کے خانسامے اور چپڑاسی اور بوٹ پالش کرنے والے تھے۔ خدا کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہیئے۔ خدا نے ہمیں ملک دیا اور انگریز اور ہندو سکھوں کو یہاں سے بھگا دیا۔ ان کی تجارت، دوکانیں، کارخانے خدا نے ہمارے ہاتھ میں دیئے ہمیں ان پر قابض بنا دیا، تو کمال یہ ہے کہ ہم میں غرور اور تکبر نہ آئے بلکہ عاجزی اور تواضع ہم میں پیدا ہو —— تو حضورؐ نے فرمایا کہ آج رات خدا نے میری امت کو خزانے عطا فرمائے خوشخبری دی، لیکن ان خزانوں کے ساتھ فتنوں سے بھی آگاہ کیا۔ یہ پارٹی بازی یہ قتل و قتال، مقدمات اور مقابلے اور ایک دوسرے کے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کی کوششیں سب مال کی وجہ سے ہیں۔ مال نہ ہو تیج میں تو کچھ نہیں۔ اسے ہی عربی میں فتنہ کہتے ہیں یعنی آزمائش اور امتحان۔ خداوند تعالےٰ مال اور عزت دے کر آزمائش کراتا ہے، کہ بھلا یہ کیا برتاؤ کرتا ہے۔

فتنوں کا علاج | اب سوال یہ ہے کہ ان فتنوں کا علاج کیا ہے۔ تو یہ بھی خود حضورؐ نے بتلا دیا ہے حضورؐ نے یہ خواب آدھی رات یا سحری کے وقت دیکھا۔ بیدار ہو کر اپنی فراش پر بیٹھ گئے۔ خواب سنا کر فرمایا کہ میری بیویوں کو جگا دو —— وہ فتنے آنے اور اس سے بچنے کی راہ یہ ہے کہ خدا کیطرف رجوع کی جائے —— تہجد پڑھ لیں —— تو گویا عبادت میں لگ جانا ان فتنوں کا علاج ہے۔ اس سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ تہجد کی ایک برکت یہ ہے کہ انسان فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

تہجد کی برکت | عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ حضورؐ کی خدمت میں لوگ اپنے اپنے خواب بیان کرتے، مجھے حسرت رہتی کہ میں بھی کبھی خواب دیکھ لوں اور حضورؐ کو سنا دوں۔ تو خواب میں کیا دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک رومال ہے، جو پروں کا کام دے رہا ہے۔ رومال گویا ہوائی جہاز ہے کہ جہاں چاہے وہاں پہنچا دیتا ہے۔ پھر دو آدمیوں نے مجھے پکڑا اور ایک کنوئیں کے کنارے لے گئے جس پر چرخہ کی طرح لکڑیاں نصب تھیں، کنوئیں میں جھانک کر دیکھا کہ اس میں مرد اور عورتیں ہیں، جن کو میں پہچانتا بھی ہوں (گویا ابوجہل اور ابولہب ہی ہوں گے) ایک ہی گاؤں اور محلہ کے باشندے تھے۔ اب میرے اوپر گھبراہٹ آئی کہ شاید مجھے بھی اس میں پھینک دیں گے۔ ہیبت طاری ہوئی، اتنے میں ایک دوسرے شخص نے آکر کہا لَمْ تُرَعْ۔ مت ڈرو تم۔ خواب سے بیدار ہوئے، مدتوں کی خواہش اور حسرت تو پوری ہوئی لیکن ادب کی وجہ سے خود

حضورؐ کو نہ کہہ سکے۔ مگر ان کی بہن حضرت حفصہؓ جو حضورؐ کے نکاح میں تھیں ان کو خواب سنایا۔ انہوں نے حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ اچھے جوان ہیں۔ نعم العبد عبد اللہ۔ لیکن کیا اچھا ہوتا اگر تہجد بھی پڑھتے چونکہ تہجد نہیں پڑھتے اس لئے ان پر ڈر طاری ہوا۔ اگر تہجد پڑھتے تو جہنم کے کنارے بھی فرشتے نہ پہنچاتے۔ اگر ایک شخص کو ہتھکڑیاں پہنا کر تھانے تک لے جائیں، حوالات میں نہ بھی ڈالیں، تب بھی بڑی بات ہے۔۔۔ غرض تہجد کی اتنی برکت ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا میری ازواج کو بیدار کر دو کہ تہجد پڑھ لیں۔۔۔ پھر ارشاد فرمایا: رُبَّ کاسیۃٍ فی الدّنیا عاریۃٍ فی الآخرۃ۔ بہت عورتیں دنیا میں چھپی ہیں، قیامت کے دن ننگی ہوں گی۔ اس کے دو مطلب ہیں ایک تو ہمارے ملک کی عورتیں کہ انگریزی فیشن میں ڈوب گئی ہیں۔ باریک سے باریک لباس پہنتی ہیں۔۔۔ یاد رکھئے چہرہ قدم اور ہتھیلیاں صرف ان تین اعضاء کا کھلا رہنا نماز کیلئے مفسد نہیں۔ اس کے علاوہ عورت کا کوئی عضو چوتھائی حصہ کھلا ہو تو نماز نہ ہوگی۔ اور آج تو انگریزی میموں کی طرح صرف قمیص پہنتی ہیں، تو ایسی عورتوں کی نماز کیسے ہو سکتی ہے۔ اور اگر کوئی ٹوک دے تو کہتی ہیں کہ دیکھتے نہیں سر پر دوپٹہ ہے۔۔۔ تو حضورؐ نے فرمایا ایسی عورتیں قیامت کے دن ننگی ہوں گی۔ اور اس وقت ننگا ہونا فیشن کی وجہ سے نہیں ہوگا، فیشن زدہ عورتیں خوش نہ ہوں کہ وہاں بھی ننگی پھریں گی۔ بلکہ انہیں سیاہ بلائیں بنا دیا جائے گا جن کی بدبو ہر طرف پھیل رہی ہوگی۔ اور لوگ ان کی وجہ سے تنگ ہوں گے کہ کچھ تو قیامت کی مصیبت ہے اور کچھ ان بلاؤں نے تنگ کر دیا ہے۔ یہ وہ عورتیں ہوں گی جو برہنہ رہتی تھیں یہ ظاہری معنی ہے حدیث کا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم آج تو مسلمانوں کی مائیں ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسلمانوں کی مائیں بنا دیا ہے۔۔۔ وازواجہٗ امّھاتھم۔۔۔ اور ماں محترم اور عزت والی ہوتی ہے۔۔۔ ہماری سب کی مائیں حضورؐ کی ازواج پہ قربان ہوں۔۔۔ تو مسلمانوں کے قلوب میں یہ عزت و عظمت ان کی بوجہ حضورؐ اقدس کے حاصل ہے۔۔۔ عورت کی عزت بوجہ شوہر کے اور شوہر کی عورت سے ہے۔ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کیلئے لباس ہیں۔ اور زینت لباس سے ہوتی ہے، جتنا اچھا لباس ہوگا اتنی زیادہ زینت ہوگی۔۔۔ تو ازواج مطہرات ہماری مائیں ہیں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ عمل نہ ہو تو کپڑوں سے کچھ نہ ہوگا۔ قیامت کے دن وہ لباس عزت و عظمت سے عاری ہو جائیں گی۔ تو گویا پہلے حضورؐ نے اپنے گھر سے نصیحت شروع کی کہ عمل صالح ہی تمہارا لباس فاخرہ ہے۔۔۔ تو بھائیو! تہجد پڑھو، خدا کے حضور میں روؤ، اللہ کو یاد کرو تاکہ دنیا کے فتنوں سے محفوظ رہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل صالح کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔۔۔

میری بلند ہمتی کا عالم

تحریر : امام عبدالرحمان ابن جوزیؒ
ترجمہ : مولانا ابوالحسن علی ندوی

امام ابن جوزیؒ کی خاص صفت ان کی عالی ہمّتی اور کسب کمالات اور جامعیت کا شوق ہے، جس کا اظہار انہوں نے اپنے حالات میں جا بجا کیا ہے، انہوں نے جب کبھی مشہور حوصلہ مندوں اور بلند ہمتوں کا جائزہ لیا ہے، ان کی حوصلہ مندی اپنی بلند ہمتی کے سامنے پست اور محدود نظر آئی ہے۔ "صید الخاطر" میں ایک جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں :-

انسان کیلئے سب سے بڑی ابتلا اس کی بلند ہمتی ہے۔ اس لئے کہ جسکی ہمّت بلند ہوتی ہے، وہ بلند سے بلند مراتب کو انتخاب کرتا ہے، پھر کبھی زمانہ مساعد نہیں ہوتا، کبھی وسائل مفقود ہوتے ہیں، تو ایسا شخص ہمیشہ کوفت میں رہتا ہے۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا فرمایا ہے، اور اسکی وجہ سے میں بھی تکلیف میں ہوں، لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش مجھے یہ بلند حوصلہ نہ عطا ہوتا۔ اسلئے کہ زندگی کا پورا لطف اور بے فکری، بے عقلی اور بے حسی کے بغیر نہیں۔ اور صاحب عقل یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اسکی عقل کم کر دی جائے اور زندگی کا لطف بڑھا دیا جائے۔ میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بلند ہمتی کا بڑی اہمیّت سے ذکر کرتے ہیں، لیکن غور کیا تو معلوم ہوا کہ انکی ساری بلند ہمتی صرف ایک ہی صنف اور شعبہ میں ہے، اس کے علاوہ دوسرے شعبوں میں (جو بعض اوقات انکے شعبہ سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔) ان کو اپنی کمی یا پستی کی کوئی پرواہ نہیں۔ شریف رضی اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ "ہر جسم کی لاغری کا ایک سبب ہے۔ اور میرے جسم کی مصیبت میری بلند ہمتی ہے۔" لیکن میں نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حکومت کے سوا اس کا کوئی مطمع نظر نہ تھا۔ ابو مسلم خراسانی اپنی جوانی کے زمانہ میں سوتا نہ تھا، کسی نے اس سے سبب پوچھا، تو اس نے کہا کہ دماغ روشن، ہمت بلند، نفس بلندیوں کا حریص، اس سب کے ہوتے ہوئے

پست اور محدود زندگی، بھلا نیند کسطرح آسکے؟" کسی نے کہا کہ تمہاری تسکین کسطرح ہوسکتی ہے؟ کہا کہ صرف اسطرح کہ سلطنت حاصل ہوجائے۔ لوگوں نے کہا کہ پھر اسکی کوشش کرو۔ اس نے کہا کہ یہ خطروں میں پڑے اور جان کی بازی لگائے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ پھر کیا مانع ہے؟ کہا کہ عقل روکتی ہے۔ پوچھا گیا کہ پھر کیا ارادہ ہے؟ کہا کہ پھر عقل کا مشورہ قبول نہیں کروں گا۔ اور نادانی کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دیدوں گا۔ نادانی سے خطرہ مول لوں گا۔ اور جہاں عقل کے بغیر کام نہیں چلتا وہاں عقل سے کام لوں گا۔ اس لئے کہ گمنامی اور افلاس لازم وملزوم ہیں۔ میں نے اس فریب خوردہ حوصلہ مند (ابو مسلم) کے حالات پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ اس نے سب سے اہم مسئلہ ہی کی بیخ کنی کر دی۔ اور وہ مسئلہ آخرت ہے، وہ حکومت کی طلب میں دیوانہ رہا۔ اس کی خاطر اس نے کتنا خون بہایا، کتنے بے گناہ بندگانِ خدا کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اس کو دنیاوی لذتوں کا ایک قلیل حصہ حاصل ہوا جو اس کا مطلوب تھا، لیکن اسکو آٹھ سال سے زیادہ اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ ملا۔ اس کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا، وہ اپنی عقل سے اپنا کوئی بندوبست نہ کرسکا اور سفاح کے ہاتھوں قتل ہوکر دنیا سے بڑی بری حالت میں رخصت ہوگیا۔ اسی طرح متنبی نے اپنی بلند ہمتی اور حوصلہ مندی کا بڑا ترانہ گایا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اسکو محض دنیا کی ہوس تھی۔

—— لیکن میری عالی ہمتی کا معاملہ عجیب ہے، میں علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں جہاں تک مجھے یقین ہے کہ پہنچ نہیں سکوں گا، اس لئے کہ میں تمام علوم کا حصول چاہتا ہوں۔ خواہ ان کا کچھ موضوع ہو، پھر ان میں سے ہر علم کی تکمیل اور احاطہ چاہتا ہوں اور اس مقصد کے ایک حصہ کا حصول بھی اس چھوٹی سی عمر میں ناممکن ہے۔ پھر میرا یہ حال ہے کہ اگر کسی فن میں کسی کو کمال حاصل ہوتا ہے اور دوسرے فن میں وہ ناقص ہوتا ہے تو مجھے وہ ناقص نظر آتا ہے۔ مثلاً محدّث فقہ سے بے بہرہ ہے۔ فقیہ حدیث سے بے خبر، میرے نزدیک علم کا نقص ہمت کی پستی کا نتیجہ ہے، پھر علم سے میرا مقصود پورا پورا عمل ہے میرا جی چاہتا ہے کہ مجھ میں بشر حافی کی احتیاط اور معروف کرخی کا زہد جمع ہوجائے، پھر یہ بات تصانیف کے مطالعہ، عامۃ الناس اور بندگانِ خدا کو تعلیم وافادہ اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کے مشاغل کے ساتھ بہت مشکل ہے۔ پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مخلوق سے مستغنی رہوں اور بجائے ان کا احسان لینے کے ان پر احسان کرنے کے قابل بن سکوں

اور انحالیکہ علم کے ساتھ اشتغال کسب معاش سے مانع ہے۔ دوسروں کا ممنون ہونے اور ان کے سلوک وہدایا کو قبول کرنے کو میری ہمّت گوارا نہیں کرتی۔ پھر مجھے اولاد کی بھی خواہش ہے۔ اور بلند پایہ تصانیف کا بھی شوق ہے، تاکہ یہ سب میری یادگار اور دنیا سے جانے کے بعد میرے قائم مقام ہوں، اس کا اہتمام کیا جائے تو دل کے پسندیدہ اور محبوب مشغلہ خلوت وتنہائی میں فرق آتا ہے۔ اور طبیعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ پھر مجھے طیبات ومستحسنات سے جائز لطف لینے کا بھی شوق ہے لیکن اس میں مال کی کمی سدِّ راہ ہے، پھر اگر اس کا سامان بھی ہو جائے تو جمعیت خاطر رخصت، اسی طرح میں ان غذاؤں اور ایسے کھانے پینے کا بھی شائق ہوں، جو جسم کے موافق اور اس کے لئے مفید ہوں۔ اس لئے کہ میرا جسم نفاست پسند اور شائق واقع ہوا ہے۔ لیکن مال کی کمی یہاں بھی رکاوٹ بنتی ہے، یہ سب در حقیقت اضداد کو جمع کرنے کی کوشش ہے۔ بھلا اس عالی ہمتی کا مقابلہ وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں، جن کو صرف دنیا مطلوب ہے۔ پھر میری خواہش یہ بھی ہے کہ دنیا کا حصول اس طرح ہو کہ میرے دین پر آنچ نہ آئے، اور وہ بالکل محفوظ ہو۔ اور نہ میرے علم اور عمل پر کچھ اثر پڑے۔ میری بے چینی کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے، ایک طرف مجھے شب بیداری عزیز ہے، احتیاط وتقوٰی کا اہتمام ہے، دوسری طرف علم کی اشاعت و افادہ اور تصنیف وتالیف اور جسم کے مناسب غذائیں بھی مطلوب ہیں اور یہ بغیر قلب کی مشغولیت کے ممکن نہیں۔ ایک طرف لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ دوسری طرف خلوت وتنہائی کی دعا ومناجات کی حلاوت میں کمی ہو تو اس پر بھی سخت تاسف ورنج ہوتا ہے۔ متعلقین کیلئے قوت مالا یموت کا انتظام کیا جائے تو زہد واحتیاط کے معیار میں فرق آتا ہے، لیکن میں نے اس ساری تکلیف اور کوفت کو گوارا کر رکھا ہے اور راضی برضا ہو گیا ہوں۔ اور شاید میری اصلاح وترقی اسی تکلیف وکشمکش میں ہے۔ اس لئے کہ بلند ہمّت ان اعمال کی فکر میں رہتے ہیں، جو خدا کے یہاں باعث تقرب ہیں۔ میں اپنے انفاس کی حفاظت کرتا ہوں اور اس سے احتیاط کرتا ہوں کہ ایک سانس بھی کسی لایعنی کام میں صرف ہو۔ اگر میرا مطلوب حاصل ہو گیا تو سبحان اللہ ورنہ نیة المومن خیر من عملہ۔ (صید الخاطر ص ۱۹۳، ۱۹۲)

★

سلسلہ ۲

علماء حق کا شیوہ

جلسۂ دستاربندی میں کی گئی تقریر کی آخری قسط

قرآن میں اہل شکم اور اہل علم کا ایک واقعہ | مجھے قرآن کریم کا ایک واقعہ یاد آیا کہ جس میں اللہ نے کچھ لوگوں کو اہل شکم کہا ہے، اور کچھ کو اہل علم۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں ہی کھاتے پیتے ہوں گے، دونوں ہی کاروبار بھی کرتے ہوں گے، تبھی تو زندہ تھے۔ فرمایا کہ: ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغیٰ علیہ وآتیناہ من الکنوز ما انّ مفاتحہٗ لتنوءُ بالعصبۃ اولی القوّۃ۔ قارون کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے خزانے اس کو عطا فرمائے تھے کہ اس کی کنجیاں ایک جماعت کی جماعت اٹھائے جایا کرتی تھی۔ جب وہ اپنے ساز و سامان اور طمطراق کے ساتھ جلوس لے کر نکلتا تھا۔ تو قرآن کریم کے الفاظ سنئے، فرمایا کہ: فخرج علیٰ قومہٖ فی زینتہٖ۔ یعنی جب وہ جلوس لیکر نکلتا تھا تو بڑی چمک دمک اور آب و تاب کے ساتھ لوگ دیکھتے تھے۔

خس و خاشاک یا فولاد کا پہاڑ | بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب بھی ہوا چلتی ہے تو ہوا کے رُخ پر اُڑ جاتے ہیں۔ جہاں ذرا سا ریلا پانی کا آجاتا ہے وہ اس ریلے میں بہہ جاتے ہیں۔ ان کی حیثیت قوم میں خس و خاشاک کی طرح ہوتی ہے اور اس زمانہ میں اپنی شرمندگی کو مٹانے کیلئے لوگوں نے نام رکھا ہے ترقی کا کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلنے کا نام ترقی ہے۔ حالانکہ اسلام اس قسم کی ترقیات کو نہیں بتاتا، وہ کہتا ہے کہ ہم اپنا راستہ خود تجویز کرتے ہیں۔ اپنے طریقے خود قائم کرتے ہیں اور زمانہ کی رو اگر تمہیں بہا کے لے جانا چاہے تو تم فولاد کا پہاڑ بن کر کھڑے ہو جانا زمانے کی رو میں مت بہنا بلکہ زمانے کا رُخ تبدیل کرنا۔

تو جس وقت قارون جلوس لے کر نکلتا تھا تو لوگوں کے منہ میں پانی آجاتا تھا، اور لوگ کہتے تھے ۔۔ کہ

اے اللہ یہ تو نے قارون کو اتنے خزانے دئے ہیں، کم سے کم دو چار خزانے ہمیں بھی دے دے قارون کی طرح بھی مالدار اور دولت مند بنا دے۔ اور یہ کون لوگ تھے ؟ قرآن کریم کے الفاظ ہیں: الذین یریدون الحیوۃ الدنیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیاوی زندگی کو اپنی مراد بنالیا تھا نصب العین اور مقصد بنالیا تھا۔ جن کا مقصد زندگی اس سے زیادہ نہ تھا کہ کھاؤ پیؤ آرام کرو، وہ کہتے تھے کہ ہم بھی قارون ہو جائیں تو اچھا ہے وہ تو بڑا صاحب نصیب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ والے ان چیزوں سے کبھی متاثر نہیں ہوتے | جہاں تک اس جلوس کے طمطراق اور چکا چوند کا تعلق تھا یاد رکھیئے اللہ والے ان چیزوں سے کبھی متاثر نہیں ہوئے۔ اللہ والوں کی نظر کس چیز پہ ہے۔؟ فرمایا ؎

غرور تھا نمود تھی ہٹو بچو کی تھی صدا اور آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتہ نہیں

جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کیا تھا۔ آج حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار پہ فاتحہ پڑھنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ لیکن ایسے کتنے لوگ ہیں جن کو یہ بھی خبر ہے کہ جہانگیر کا مقبرہ کہاں ہے، میر تقی ہندوستان کا ایک شاعر گذرا ہے فرمایا ؎

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پہ جو آ پڑا
یکسر وہ استخواں شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

تو نے میرے اوپر پاؤں رکھ دیا، میرے اوپر تو کبھی تاج رکھا جاتا تھا اور کبھی ہار ڈالے جاتے تھے۔ آج تو نے اس پہ جوتا رکھ دیا۔ اور وہ چور چور ہو گیا۔ تو اللہ والے کبھی ان چیزوں سے متاثر نہیں ہوتے۔

——— ہمارے پاکستان کے سابق صدر سے سابق گورنر جنرل مسٹر غلام محمد صاحب جنہوں نے ایک زمانہ میں بڑی ترنگ کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہوگا، اور میں اس کے لئے گولی کھانے کو تیار ہوں۔ مگر کسی مسلمان نے جواب میں یہ کہا تھا کہ معاف کیجئے گا کسی مسلمان کی جیب میں ایسے پیسے بیکار نہیں پڑھے جو وہ آپ کے اوپر گولی چلا کے ضائع کرے گا۔ آپ کی اتنی حیثیت بھی نہیں۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی پاگل خانہ کے معائنہ کرنے کیلئے گئے تو کسی پاگل نے دور سے دیکھ کر کہا کہ ایک اور آگیا۔ انہیں یہ سن کر بڑا غصہ آیا، دل میں سوچنے لگے کہ اس نے میری بڑی اہانت کی ہے، جب یہ قریب پہنچے تو کہا کہ میں پاکستان کا گورنر جنرل ہوں تو اس نے کہا پہلے ہم بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے۔ آپ بھلا بتلائیے کہ قارون

کا جلوس اور طمطراق اور اسکی یہ شان و شوکت سے اللہ والے کیسے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ تو وہ طبقہ تھا جو ان کے جلوس کو دیکھ کے متاثر ہوا، آگے ہمارے فارغ التحصیل طلبہ کو جن کو اللہ نے دولت علم عطا فرمائی ہے، ان کا ذکر ہے۔ فرمایا: وقال الذین اُوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیرٌ لمن امن وعمل عملاً صالحا۔ جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا تھا، وہ کہنے لگے کہ ارے ظالمو! تم نے اگر خزانے مانگے تو قارون کے مانگے۔ اگر مانگنے تھے تو آخرت اور ثواب کے خزانے مانگتے۔ یہ کیا تم نے مانگ لیا۔؟ یہ قارون کی حیثیت کچھ نہیں، دنیا کے خزانے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ قرآن کریم کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں۔ انیسویں پارے میں یہ رکوع موجود ہے۔ قارون کے جلوس کو دیکھ کر جس طبقے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی دولت مند ہوجائیں اُن کو اللہ نے اہل علم نہیں کہا اور جنہوں نے آخرت کی بات کہی ان کو اللہ تعالیٰ نے اہل علم کہا۔ ایک بات اور سن لیجئے یہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہا بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں۔ آگے چل کر جب قارون اور اس کا خزانہ اور محل خدا کے حکم سے زمین میں دھنسنے لگا۔ اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان لوگوں نے جنہوں نے دعا کی کہ اے خدا ہمیں بھی قارون بنا دے۔ اب کہنے لگے: لولا ان منّ اللہ علینا لخسف بنا۔ اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر کہ تو نے ہمیں قارون نہیں بنایا، ورنہ ہم بھی آج زمین کے اندر جاتے۔

علماء دین کے امین ہیں ان کے پاس کونسی امانت ہے — خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دراصل علم وہ ہے۔ جو آخرت کا راستہ دکھائے، خدا کی معرفت کا طریقہ آپ کو بتلائے اور وہ وہ ہے جو آپ نے یہاں کی درسگاہوں میں حاصل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء سے مراد وہ ہیں جو قرآن وسنت کے حامل ہوں، جنہوں نے اپنے اساتذہ سے قرآن وسنت سے علوم حاصل کئے علماء سے وہ مراد ہیں۔ حدیث میں ایسے علماء کو اُمناء الدین۔ کہا گیا۔ امنا جمع ہے امین کی۔ ان کے پاس کونسی امانت ہے۔؟ دین کی امانت ہے بلکہ حقیقت میں دین ہی کو امانت کہا گیا ہے۔ انّا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض۔ ہم نے دین کی امانت آسمان اور زمینوں پر پیش کی۔ تو اس آیت میں دین کو ایک بہت بڑی امانت کہا گیا ہے۔ جو اللہ کی ان کے پاس ہے۔ اور یاد رکھئے کہ کبھی کبھی انسان خود تو چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر امانت بہت بڑی ہوتی ہے۔ اور جب امانت بڑی ہو تو اسکو اپنے چھوٹے پن کا خیال نہیں ہوتا — امانت کے بڑے ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک عالم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ میں اپنی ذاتی حیثیت میں چاہے غریب ہوں چاہے میری آمدنی کم ہے، لیکن میرا مرتبہ اس امانت کی وجہ سے

جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ بادشاہوں سے بھی بڑا ہے۔ اور جب وہ یہ سمجھے گا تو دو باتیں اس **خلقِ خدا سے بے نیازی** میں پیدا ہوں گی، ایک تو خلقِ خدا سے بے نیازی۔ وہ خلقِ خدا کے پیچھے پیچھے نہیں پھرے گا۔ بلکہ خلقِ خدا اس کے پیچھے پیچھے جائے گی۔ اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو ان سب سے اونچا اور ممتاز سمجھتا ہے۔ اللہ نے جو قیمتی چیز ان کے ہاتھوں میں عطا فرمائی ہے وہ امانتِ دین ہے۔ اور دوسری بات ان میں یہ پیدا ہوگی کہ اس امانت کی بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں، جن میں پہلی ذمہ داری حق بات **عالم کا مقصدِ وجود اظہارِ حق ہے** کا اظہار کرنا ہے۔ کہ عالم کا کام یہ ہے کہ جب مسئلہ بتائے تو بغلوں کو جھانک کر نہ بتائے۔ یاد رکھیئے! عالم کا کام یہ ہے کہ جب کبھی حق کی ترجمانی کا سوال پیدا ہو ہچکچائے نہیں۔ حق بات واضح بیان کرے اور اگر عالم نے حق بات نہ کی تو ایک شخص نے ایک بڑا جملہ لکھا ہے کہ اگر نمک کے اندر نمکینی باقی نہ رہے تو دنیا کی کونسی چیز ہے، جو اسکو نمکین بنائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کا تو کام ہی یہ ہے کہ قرآن وسنّت کی صحیح ترجمانی کی جائے اور جب عالم اس کی ترجمانی نہ کرے تو جو اس کے وجود کا مقصد تھا وہ فوت ہوگیا، اس لئے علماء کی دو قسمیں کر دی گئیں ایک علماءِ حق اور علماءِ ربانی کہلاتے ہیں اور دوسرے علماءِ سوء کہلاتے ہیں۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ علمِ دین حاصل کرنے کے بعد **آپ کب علماءِ حق بن سکیں گے** جب آپ اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کریں گے، اُن کی صحبت میں آپ کچھ دن گذاریں گے تو انشاء اللہ آپ کا شمار علماءِ ربانی اور علماءِ حق میں سے ہوگا۔ اور اگر آپ کو اپنے علم پر غرور اور ناز رہا، اور آپ نے ان اکابر کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں تو اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کا **تاریخ میں علماءِ سوء کی مثالیں** علم آپ کو گمراہ نہ کر دے۔ ایسی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ ملا مبارک ناگوری جس کی آگرے کے اندر بڑی یونیورسٹی تھی، بڑا مدرسہ تھا۔ اور مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا دو یا تین واسطوں سے شاگرد تھا۔ بڑا عالم ہے، لیکن اس کے دل میں خوفِ خدا نہیں، خشیۃ الٰہی نہیں۔ اللہ کے دین اور اس کے علم کو دنیاوی اغراض کے لئے استعمال کرتا ہے۔ بڑے بڑے تلامذہ اور شاگرد ہیں جن میں ملا عبدالقادر بدایونی بھی ہیں۔ اس زمانے میں انہوں نے اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر تاریخ لکھی ہے اور تاریخ لکھ کر اپنے گھر میں مر گئے ہیں بعد میں جب وقت آیا ہے تو وہ تاریخ چھپی ہے۔ جہاں اپنے استاذ کا ذکر آیا ہے وہاں بہت بُرے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ وہ الفاظ کیا ہیں۔ فرمایا: ؎

تو اے مردِ سخن پیشہ ز بہر چند مستی دوں — ز دینِ حق بماندستی بہ نیروئے سخن دانی

طلاقتِ لسانی اور زورِ بیان کی وجہ سے تو نے خدا کے دین سے اعراض کیا۔ تیرا لقب ہے مردِ سخن پیشہ

باتیں بنانا تیرا کام ہے ۔

چہ سستی دیدی از سنت کہ رفتے سوئے بے دیناں

چہ تقصیر آمد از قرآن کہ گردے گرد الآنے

سنت اور قرآن میں تجھے کیا قصور نظر آیا کہ جو تو نے رکابی اور پلیٹ کو اپنا مذہب بنالیا اور جو وقت کے تقاضے تھے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے زمانہ کے چالیس چور | مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانے میں چالیس علماء نے دستخط کرکے خلیفہ کو دیئے تھے کہ خلیفہ معصوم ہوتا ہے۔ اور حضور جو کچھ آپ سے غلطی اور گناہ ہو جائے، خدا کے ہاں کوئی گرفت نہیں مولانا گیلانی نے اپنی زبان میں لکھا ہے کہ یہ تاریخ اسلام کے "چالیس چور" تھے ۔علی بابا چالیس چور کا قصہ آپ نے سنا ہوگا۔ لکھا ہے کہ ایک دستاویز امام ابوحنیفہ کے سامنے پیش کی گئی دستخط کرنے کے لئے۔ انہوں نے کہا کہ دستاویز پر دستخط کرنے کے معنی ہے شہادت دینا۔ جب واقعہ میرے سامنے ہوا نہیں تو اس پہ دستخط کیسے کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا اور اتنے علماء نے جو دستخط کر دیئے ہیں، امام ابوحنیفہ نے کہا کہ انہوں نے غلط کئے۔ خلیفہ کو غصہ آیا، اس نے علماء کو بلوایا دربار میں۔ ان سے پوچھا کہ یہ تم لوگوں نے دستخط کیوں کئے۔ ان لوگوں نے اقرار کیا کہ حق بات تو وہی ہے جو ابوحنیفہ کہہ رہے ہیں ـــــ اس لئے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ایک بہت بڑی امانت ہے اگر عالم نے شریعت کی ترجمانی کا حق ادا نہیں کیا اور واقعتہً اگر اس نے اس کو چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے دین میں خیانت کی ہے۔

اظہار حق کیلئے نرمی اور حکمت ضروری ہے | ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اظہار حق نرمی اور ملاطفت کے ساتھ ہو، اس لئے کہ عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک ہی بات ہے، اگر آپ نے سخت لفظوں میں کہہ دی تو آپ نے ہلچل پیدا کر دی، نرمی سے کہہ دی تو دلوں میں اتر گئی۔ انوری کا مشہور واقع ہے کہ انوری دربار میں گیا جاکر قصیدہ سنایا، بادشاہ نے خوش ہو کر کہا کہ ایک شاہی گھوڑا اسے دیدو انعام میں اور یہ شاعر و ادیب بے چارے غریب ہوتے ہیں، ان کے پاس پیسہ نہیں ہوتا، تو اس نے شاہی گھوڑا دیا، اور انوری نے اپنا سر پکڑ لیا کہ میاں یہاں تو اپنے کھانے اور پہننے کیلئے کچھ نہیں گھوڑے کو کہاں سے کھلاؤں اور کہاں سے پہناؤں۔ سردی کا زمانہ تھا گھوڑا دروازے سے باہر باندھ دیا، سردی کی وجہ سے رات کو گھوڑا مر گیا۔ اب انوری کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب میں خلیفہ کو جاکر

کہوں کیسے، اگر یہ کہوں کہ حضور واہ آپ نے اچھا گھوڑا دیا جو مریل گھوڑا تھا آپ نے مجھے دیدیا تو ۲۴ گھنٹے کا نوٹس مل جائے گا، کہ نکل جاؤ ہماری سلطنت سے۔ لیکن اگر کہوں تو کس طریقے پر؟ انوریؔ کی سمجھ میں آگئی بات، دربار میں گیا اور جاکر یہ کہا کہ آج بھی میں آپ کی شان میں قصیدہ لکھ کے لایا ہوں اجازت دیجئے، بادشاہ نے اجازت دیدی۔ انوریؔ نے اپنا قصیدہ شروع کیا۔ اور قصیدہ کیا ہے، گھوڑے کے مرنے کی خبر دے رہا ہے۔ کہا ؎

شاہ اسپے بانوریؔ بخشید
باد صرصر بگرد اُو نہ رسید

واہ واہ بڑا تیز رفتار، بڑا اچھا گھوڑا آپ نے دیا جسکی نسل بھی بہت اعلیٰ تھی۔ خوب تعریف کی۔ آگے کہا ؎

ایں چنیں بود تیز در رفتار
در شبا شب باآخرت برسید

حضور ہمیں تو اتنا تیز رفتار نہیں چاہیئے تھا، آپ نے اتنا تیز رفتار دے دیا وہ تو ایک ہی رات میں آخرت کو پہنچ گیا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا مرگیا، شاید اس کے پاس ساز وسامان نہیں تھا۔ حکم دیا کہ دوسرا گھوڑا دو اس کے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ عنوان کتنا اعلیٰ درجہ کا اختیار کیا گیا۔ عنوان پر بڑا انحصار ہے، ایک عورت کنویں پر پانی بھر رہی تھی کسی نے کہا کہ اے میری ماں مجھے پانی پلادے، عورتیں بیچاری بڑی رحم دل ہوتی ہیں۔ اس نے اپنا گھڑا چھوڑ کر اسے پانی پلا دیا۔ اس لئے کہ اس نے ماں کہہ دیا۔ ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور کہا اے میرے باپ کی جورو مجھے پانی پلادے، وہ مارنے کو دوڑی۔ اب وہ منطقی تھا، پوچھنے لگا کہ یہ بتا دے کہ باپ کی جورو اور ماں میں فرق کیا ہے — تو بھائی یہ مسئلہ منطق سے طے ہونے والا نہیں اصل میں یہ ہے کہ عنوان آپ کا بہتر ہونا چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے: بشّرا ولا تنفّرا ایسّرا ولا تعسّرا تطاوعا ولا تختلفا۔ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں نے عرض کیا کہ ایک امانت اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔ اور اس امانت کا سب سے بڑا حق جس سے خطرہ ہے، وہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا مالم یخالطوا الامراء جب تک امراء سے مخالطت نہ کریں، امراء کے معنی کیا ہیں۔؟ امراء جمع ہے امیر کی، اور امیر کے معنی عام طور پر جو لئے جاتے ہیں، حاکم اور بادشاہ، افسر، صاحب اثر، صاحب رسوخ، ان کو امراء کہتے ہیں۔ یہ اس لئے میں نے کہا کہ آج ایک جھگڑا اور بحث روشن خیالوں نے یہ بھی چھیڑ رکھی ہے کہ اولوالامر کون ہیں۔؟ اور جہاں کوئی سرکاری حکم آتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ مولانا صاحب اولوالامر کی تو اطاعت کرنی چاہیئے۔ ان

بیچاروں کو یہ نہیں معلوم کہ ذرا تفسیر تو تم اٹھا کر دیکھ لو کہ علماء نے اولوالامر تو لکھا ہی علماء کو ہے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ اولوالامر وہ ہیں کہ جو صاحبِ فتویٰ کہلاتے ہیں۔ جو جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور قرآن وسنت کو سمجھتے ہیں لیکن چلئے دوسری تفسیر کی بناء پہ اولوالامر ان کو بھی مان لیا جائے۔ حکام کو بھی۔ لیکن یہ کس مسخرے نے کہہ دیا کہ قرآن میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے۔ قرآن میں کہیں اولوالامر کی اطاعت کا حکم نہیں۔

اولوالامر کی اطاعت کب ضروری ہے | قرآن کریم میں جو حکم ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی، تو دونوں جگہ لفظ اطاعت موجود ہے۔ اللہ کے ساتھ بھی رسول کے ساتھ بھی۔ اولوالامر کے ساتھ لفظ اطاعت نہیں۔ اٹھا کر دیکھئے قرآنِ کریم کو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی۔ اگر اولوالامر اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ تو اسکی اطاعت کرنا اور اگر اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا۔ تو اسکی اطاعت نہیں اسلام میں، جس کا مطلب یہ ہے کہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں کہ جس میں خالق کی نافرمانی آتی ہو۔ خیر میں نے یہ کہا کہ امراء سے مراد حکام، اہل دولت، صاحب اثر و رسوخ ——

حضورؐ نے فرمایا کہ علماء مخالطت نہ کریں۔ مخالطت کے معنی یہ نہیں کہ آپ ان سے نہ ملیں۔ ان کی شکلوں کو دیکھ کر بھاگ جائیں، ہمیں حضرت مولانا تھانویؒ کے مجلس میں بڑے بڑے مضامین اور بڑے بڑے نکات حل کئے جاتے تھے۔ کسی شخص نے مولانا سے سوال کیا اور مولانا نے فرمایا کہ بھئی یہ تم نے بڑا اہم سوال کیا ہے۔ اللہ نے اس کا جواب ابھی ابھی میرے دل میں ڈالا ہے۔ سوال یہ کیا کہ شریعت میں حکم دیا گیا ہے کہ بُروں کی صحبت سے بچو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا ہے۔ کہ نیکوں کی صحبت میں بیٹھو۔ تو فرمایا کہ حکم تو دونوں سر آنکھوں پر ہیں، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں حکم جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ جب کوئی بُرا آدمی آپ کی صحبت میں آکر بیٹھے گا تو آپ بھاگ جائیں گے کہ میں تو بروں کی صحبت میں نہیں بیٹھتا۔ حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں مخدوم کا اثر خادم پر پڑتا ہے۔ خادم کا اثر مخدوم پر نہیں پڑتا۔

علماء مخدومانہ حیثیت برقرار رکھیں | یہ بات یاد رکھئے کہ جو آدمی مخدومانہ حیثیت رکھے گا وہ خادموں پہ اثر ڈالے گا۔ اور جو خود ہی اپنے آپ کو خادم بنائے گا وہ مخدوموں پہ کبھی اثر نہیں ڈال سکتا۔ فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کو چاہئے کہ اہل رسوخ، اہل سلطنت اور جتنے بھی بااثر افراد موجود ہوں ان کے ساتھ نیازمند اور خادم کی حیثیت اختیار نہ کریں بلکہ اپنی مخدومانہ حیثیت کو برقرار رکھیں۔ اس لئے

کہ اگر یہ خود خادم بن گئے تو ان کے اثرات ان کے اوپر نہیں پڑیں گے۔ اس لئے یہ نہیں کہا کہ آپ ان سے نہ ملیں، نہیں، آپ ملیں ان کے پاس بھی جائیں، ملاقات بھی کریں۔ لیکن یہ نکتہ یاد رکھیئے گا کہ اپنی مخدومانہ حیثیت جو اس امانت کی وجہ سے آپ کو خدا نے دی، اسکو خراب نہ کریں۔ اس مخدومانہ حیثیت کو جب تک تم باقی رکھو گے انشاء اللہ اس وقت تک دین سے فائدہ پہنچے گا، اور جس وقت اس میں خادمانہ حیثیت اختیار کرلیں گے تو اصل چیز ختم ہوجائے گی۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے فرمایا: نعم لصوص الدین فاحذروهم۔ فرمایا کہ اب یہ دین کا امانتدار نہیں بلکہ دین کا ڈاکو ہوگیا ہے۔ رہزن ہے دین کا۔ تو ایک طرف تو یہ معلوم ہوا کہ اہل علم کو اللہ نے ایک امانت دی ہے۔ اس امانت کی وجہ سے ان کو اپنی حیثیت اور رتبے کو سمجھنا چاہیئے۔ دوسری طرف عالم مسلمانوں سے یہ بات عرض کی جاتی ہے کہ جب یہ حضرات دین کے امانتدار ہیں، دین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہے تو آپ انکی ذات اور شخصیت کو نہ دیکھیں، ان کی آمدنی کو نہ دیکھیں، ان کے لباس کو نہ دیکھیں بلکہ اس بات کو دیکھیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی کتنی قیمتی امانت ان کے ہاتھ میں ہے، آپ ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے ان کی مخدومانہ حیثیت مجروح ہوتی ہو۔ حضرت مولانا تھانویؒ کا ایک ارشاد سنئے فرمایا کہ اگر کوئی عالم غلط ہو تو اس کے فتویٰ پہ چاہے عمل نہ کرو مگر عزت ضرور کرو۔ اور مثال کیسی دی، فرمایا کہ اگر کسی پریس میں قرآن کریم چھپ رہا ہے اور غلطی سے غلط چھپ گیا تو وہ قرآن جو غلط چھپا ہے وہ قابل تلاوت تو نہیں ہے، لیکن خبردار یاد رکھنا اسے پاؤں کی ٹھوکر مارنا جائز نہیں۔ تعظیم و تکریم اس لئے کہ خدا کی کلام ہے۔ فرمایا اگر اس طریقے سے آپ نے بے توقیری کی تو اسکی وجہ سے عام طور پہ اہل دین کی عظمت دلوں سے ختم ہوجائے گی۔ اور بہت سے لوگ جو عظمت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ طرح طرح کے الفاظ اور القاب سے یاد کرتے ہیں۔

ٹیپو سلطان شہید جن کی بڑی ہیبت تھی، جب انگریزوں نے چاہا کہ انکی عظمت ختم ہوجائے تو انہوں نے اپنے کتوں کا نام ٹیپو رکھا، خلافت اور خلیفہ کا لفظ اسلام میں ایسا تھا کہ اس کی ہیبت چھا جاتی تو آپ نے دیکھا کہ اس کے اثر کو ختم کرنے کیلئے حجامت بنانے والے کو خلیفہ کہنے لگے۔ اس طریقہ سے جب لفظ عالم کی عظمت کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو کوئی مولانا اور مولوی کی جگہ مسٹر لکھنے کا خواہش مند ہے، کوئی ملّا لکھنے کا اور کوئی اور دوسرے طریقے سے یاد کرتا ہے۔ یاد رکھیئے یہ لوگ دراصل دین کے خلاف ہیں اور دین کی عظمت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ اگر آپ علماء کی تعظیم و تکریم کریں گے تو وہ دراصل دین کی ہوگی ــــ میں زیادہ وقت آپ کا نہیں لوں گا۔ بس یہی کلمات عرض کرنا تھے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

■■

اسلام میں حلال و حرام کا تشریعی فلسفہ

"ادارۂ تحقیقات" نے مشینی اور بلاتکبیر و تسمیہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے بارہ میں فتویٰ دیا ہے۔ —— شریعت اسلامیہ نے بعض چیزیں حلال قرار دی ہیں اور بعض حرام۔ مذکورہ ذبیحہ بھی دوسری قسم میں داخل ہے۔ پیش نظر مضمون میں امام اہل حکمت ماہر اسرار شریعت فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ افادات کی روشنی میں اسلام میں حلال و حرام کے تشریعی فلسفہ سے بحث کی گئی ہے، اور اس انداز سے کہ مذکورہ ذبیحہ کے بارہ میں ادارۂ تحقیقات کے شبہات کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے۔ اور دین فطرت اسلام کا فلسفۂ حلت و حرمت بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ ہم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سواتی (جنہیں ولی اللّٰہی علوم سے خاص شغف ہے) کے نہایت شکرگذار ہیں جنہوں نے اپنی تشریح و تسہیل سے قارئین الحق کو اس موضوع پر امام ولی اللہ دہلوی کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کے گویا پورے ایک باب سے روشناس کرایا —— س ——

★

کھانے پینے کی اشیاء کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو انسان حقیقی سعادت سے کبھی ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک وہ چار اخلاق طہارت، اخبات، سماحت، عدالت کی تکمیل نہ کرے اور ان چاروں بنیادی اخلاق کو اپنی اعتقادی اور عملی زندگی میں اپنا نہ لے۔ اور انسان کی شقاوت و بدبختی ان چہارگانہ اخلاق کی اضداد میں منحصر ہے۔ انسان کی روحانی صحت کی حفاظت اور امراض نفسانیہ سے شفا حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ان اخلاق کے اسباب، اور جو چیزیں ان کو پیدا کرتے کا باعث ہیں۔ ان کے متعلق تفتیش کرے اور یہ معلوم کرے کہ کونسی چیزیں انسان کے روحانی مزاج میں تغیر و تبدل پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے یا تو انسان ابدی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔ یا پھر اس کے انجام میں دائمی بدبختی اور شقاوت ہوتی ہے۔ بعض افعال و اعمال ایسے

ہیں جن کے اثرات انسان کے نفسِ ناطقہ کے ساتھ چمٹ کر اسکی گہرائیوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔ بعض افعال ایسے ہیں جن کے ارتکاب سے انسان کو ملائکہ سے بُعد ہو جاتا ہے اور اس کے درمیان اور شیاطین کے درمیان اتصال اور قریبی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ نفس انسانی جب ایسے اعمال سے متصف ہو جاتا ہے۔ اور ان اعمال کے ساتھ تلبس اختیار کرتا ہے۔ تو وہ انسان کے جوہر نفس میں پیوست ہو جاتے ہیں اور انسان میں رذیل اور کمینہ ہئیتیں اور خسیس شکلیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر انسان کو ایک طرف ملائکہ سے دوری، بعد، اور شیاطین سے قرب و مشابہت حاصل ہو جاتی ہے تو دوسری طرف اخلاق فاضلہ صالحہ کی اضداد یعنی اخلاق رذیلہ انسانوں کے نفوس میں پختہ ہو جاتے ہیں۔ خواہ انسانوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ غیر شعوری طور پر یہ باتیں انسانوں میں راسخ ہو کر فساد پیدا کر دیتی ہیں۔ اور جو لوگ بہیمی الواث (جانوروں جیسی خصلتوں اور آلودگیوں) سے اپنے آپ کو دور کر چکے ہیں۔ اور جنہیں روحانی پاکیزگی حاصل ہے، ایسے نفوس حظیرۃ القدس (SANCTORUM PERMAGNUM) سے ان اعمال و افعال کے بارہ میں نفرت و کراہت کا احساس بالکل اسی طرح کرتے ہیں۔ جیساکہ کڑوی کسیلی اور بدمزہ اشیاء کے کھانے سے انسان کی طبیعت میں ان کے متعلق کراہت اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسکی مہربانی کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے توسط سے ایسے تمام امور سے آگاہ کر دے جو انسان کی شقاوت کا باعث ہوں۔ اور ان کے اختیار کرنے سے ان کو منع کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا یہ اصول اور بنیادی ضابطہ ہے۔ کہ جب کسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے یا کسی چیز سے منع کیا جاتا ہے تو ضروری بات ہے کہ اس چیز کو ایسے معیّن قاعدے اور ضابطہ میں لایا جائے۔ کہ اس کے اثرات لوگوں پر واضح ہوں۔ اور کسی قسم کا خفاء اور اشتباہ اس میں نہ رہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان الحلال بین وان الحرام بین ۔" کہ بیشک حلال بالکل واضح اور کھلا ہے۔ اور حرام بھی واضح ہے --- و بینھما مشتبہات لایعلمھنّ کثیر من النّاس، فمن اتقیٰ الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ (مسلم صفحہ ۲۸/۲) اور ان (حلال وحرام) کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے جو ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا۔ تو اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا۔

ظاہر ہے کہ کھانے، پینے، لباس و اخلاق میں اعتقاد و فروعات میں اور معاملات و سیاسیات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ جو آدمی حلال وحرام کو معلوم کرنا چاہے تو وہ اس کے بارہ میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ حلال بالکل

واضح ہے۔ مثلاً روٹی، پھل، شہد، تیل، گھی، ماکول اللحم جانوروں کا دودھ، انڈا، مچھلی اور دوسری ماکول اشیاء وغیرہ۔ اسی طرح دیکھنا، سننا، چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا وغیرہ تصرفات ان کے حلال ہونے میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ اسی طرح حرام مثلاً کفر، شرک، بت پرستی، شراب، خنزیر، مردار، بول و براز، دم مسفوح، زنا، جھوٹ، غیبت، رشوت، سود، غصب، خیانت، چوری، ڈاکہ قتل ناحق وغیرہ ہر خاص عام پر ان کا حرام ہونا واضح ہے۔ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں، البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو عام لوگ نہیں جانتے۔ علماء اور مجتہدین دلائل شرعیہ میں غور و خوض کے بعد ان کا حکم ظاہر کرتے ہیں۔

کھانے پینے کی اشیاء میں محرمات کا بیان اور ان کا تشریعی فلسفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم اور اخلاق پر اثر ڈالنے والے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب انسان کی غذا اور خوراک ہے۔ غذا اولاً جسم پر اور اس کے تابع اندرونی قوتوں پر اور انسانی اخلاق پر بڑا نمایاں اثر ڈالتی ہے، اس لئے لازمی بات ہے کہ تحلیل و تحریم کی تفصیلات بیان کرنا تشریع کا لازمی جز قرار پائے۔ جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان میں سے ایسے جانوروں کا گوشت کھانا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے جسکی شکل و صورت پر کسی قوم کو مسخ کیا گیا ہو۔ ایسے جانوروں کا گوشت کھانے کا اثر انسانی جسم پر بہت شدید قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کسی مغضوب قوم کی جس پر خدا کی ناراضگی اور اسکی لعنت اور غضب نازل ہوا ہو۔ تو اس قوم کے مزاج میں اس غضب و لعنت کے نتیجے کے طور پر ایسا بُرا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ اس قوم میں اور قلب سلیم میں بُعد المشرقین ہو جاتا ہے۔ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ آخرۃ میں کامیابی اور نجات قلب سلیم کی بدولت ہی نصیب ہو گی۔ (یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم) اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب ایسے شخص کے مزاج میں فطرت سلیمہ اور سلامتی قلب سے انتہائی درجہ کا بُعد پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایسا انسان صورت نوعیہ کے حدود و احکام سے باہر نکل جاتا ہے۔ انسانوں کو جن مختلف سزاؤں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ مسخ فطرت بھی ہے بلکہ ان سزاؤں سے یہ سخت ترین سزا ہے۔ جب انسان فطرت سلیمہ سے باہر نکل جاتا ہے، تو ایسی حالت میں اسکی مشابہت کسی ایسے خبیث حیوان کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے، جس سے انسانی طبع سلیم نفرت کرتی ہے۔ اسکی تعبیر اس قسم کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ کہ فلاں قوم کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر کے سؤر اور بندر بنا دیا — حظیرۃ القدس اور ملأ اعلیٰ (PORULUS SANCTUS) کے پاک نفوس میں اس کا علم اس شکل میں متمثل ہوتا ہے کہ وہ نفوس قدسیہ ایسے خبیث حیوانات اور ان لوگوں میں جو مغضوب ہیں۔ اور رحمت سے بعید ہیں۔ ایک مخفی قسم کی مناسبت جانتے ہیں اور جو آدمی سلیم الطبع ہے اور اپنی فطرت پر باقی ہے۔ اس میں اور

ان میں بہت بُعد سمجھتے ہیں۔ اب ایسے جانوروں کو کھانا اور جزو بدن بنانا یقیناً نجاست و غلاظت کے کھانے سے بدرجہا بُرا ہوگا۔ اور ایسے افعال کے ارتکاب سے جو انسان میں جوش و غضب کو ابھارتے ہیں، ان سے کہیں زیادہ بدتر ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ غیب کے ترجمان، اور حظیرۃ القدس کی زبان ہیں، یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے برابر خنزیر کو حرام قرار دیتے رہے ہیں۔ اور اس سے دور رہنے کی تلقین فرماتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں زمین پر نازل ہوں گے تو وہ خنزیر کو قتل کریں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ لیوشکن۔ کہ قریب ہے وہ زمانہ بھی آنے والا ہے، جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان نازل ہوں گے۔ ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً مقسطاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر (مسلم ص۸۷ ج۱) (شریعتِ محمدیہ کے ساتھ) فیصلہ کرنے والے اور عدل و انصاف کرنے والے بن کر اتریں گے۔ پھر وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔

صلیب کو توڑنا اس لئے ہوگا کہ یہ شعائر کفر و شرک میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلیب کو بت (وثن) کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اور تذلیل شعائر شرک و کفر ایک اہم اصول ہے۔ جیساکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بچھڑے کو جلا کر اسکی راکھ بھی سمندر میں پھینکوا دی ـــ اور جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر وہاں سے دور کر دیا۔ اور جیساکہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریرؓ سے فرمایا کہ مجھ کو ذی الخلصہ سے راحت پہنچاؤ جس کو مشرک کعبۂ یمانیہ کہتے تھے۔ اور اسکا طواف کرتے تھے۔ حضرت جریرؓ ایک سو پچاس سواروں کی جماعت کو لے کر گئے۔ اور ذوالخلصہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس بشارت بھیج دی۔ اور صلیب کو توڑنے میں یہاں نصاریٰ کی تذلیل بھی مقصود ہوگی۔ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بالکل غلط اور باطل عقیدہ کو رواج دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام العیاذ باللہ صلیب پر لٹکا دئے گئے، حالانکہ یہ واقع کے بالکل خلاف ہے، عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جسدِ عنصری کے ساتھ آسمانوں کیطرف اٹھالیا اور دوبارہ نصاریٰ کی تذلیل کی خاطر اللہ تعالیٰ ان کو نازل فرمائے گا۔ اور خنزیر کو قتل کرنا اس لئے ہوگا کہ نصاریٰ نے تمام آسمانی شرائع اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے برخلاف خنزیر کو حلال سمجھ کر کھایا، اور ایک ایسے ناپاک جانور کو جو تمام ملتوں میں حرام تھا۔ پاک و متبرک سمجھ کر کھاتے رہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے تاکہ عیسائیوں کی خوب تذلیل ہو۔

علاوہ ازیں خنزیر چونکہ نجاست اور غلاظت کھانے والا جانور ہے۔ اس کا اثر بھی انسانی روح پر پڑتا ہے۔ اور خنزیر میں ایک ایسی خصلت بھی پائی جاتی ہے، جو فطرت انسانیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اور وہ خصلت ہے مَوطُوءَۃ جس میں اشتراک کوئی جانور بھی اس کو برداشت نہیں کرتا۔ چنانچہ جب کوئی جانور مادہ سے جفتی کھاتا تو دوسرے نر کو بھگا دیتا ہے تب جفتی کھاتا ہے۔ یہ بے حیائی اور بے غیرتی کی خصلت صرف خنزیر میں پائی جاتی ہے، چنانچہ جو قومیں خنزیر کا گوشت کھاتی ہیں، ان میں بے حیائی کمال درجہ کی پائی جاتی ہے۔ غیرت کی حس بالکل ان میں مفقود ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ گذشتہ قوموں میں کسی قوم نے خنزیر کو کھایا ہو۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی شرائع نے اس کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ اور اس کو ترک کرنے کا حکم دیا، اور بندر اور چوہوں کا کھانا سابقہ قوموں میں مروج نہیں تھا۔ اس لئے ان کے بارہ میں صرف منع کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور زیادہ تاکید کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ سلیم الطبع لوگ اپنی سلامت طبع کے ساتھ ان سے متنفر ہوں گے۔

چوہوں کو موذی جانوروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ ——— امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل خمس فواسق فی الحل والحرم الغراب والحداۃ، العقرب والفار والکلب العقور (متفق)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانچ موذی جانوروں کو حل اور حرم سب جگہوں میں قتل کرو، کوا، چیل، بچھو، اور باؤلا کتا۔

ظاہر ہے کہ ایسے موذی جانوروں کے کھانے سے انسانی طبائع پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اور بندر کے بارہ میں بھی یہ بات ہے کہ جس طرح خنزیر میں ایک فطرت کے خلاف خصلت پائی جاتی ہے اسی طرح بندر میں بھی ایک نہایت ہی بری خصلت جو فطرت کے خلاف ہے، پائی جاتی ہے۔ اور وہ خصلت ہے ہم جنس سے تمتع کرنا۔ کسی جانور میں بندر کے علاوہ یہ بری خصلت مشاہدہ میں نہیں آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ضب (گوہ، سوسمار) کے بارہ میں موجود ہے، کہ بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ان کو زمین پر چلنے پھرنے والے بعض جانوروں کی شکل و صورت میں مسخ کر دیا گیا تھا مجھے معلوم نہیں شاید یہ گوہ بھی انہی جانوروں میں سے ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی قرآن پاک میں ہے: وجعل منھم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت۔ (المائدہ) کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ اور ایسے کہ انہوں نے شیطان کی پرستش کی ——— اور اسی کے مطابق وہ بات بھی ہے کہ

جس جگہ واقع ہوا ہو یا کسی قوم کو سزا دی گئی ہو تو ایسی جگہ ٹھہرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔ اور ایسے مقام میں قیام کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اور اس سے منع فرمایا ہے، اسی طرح ایسے لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ہے ان کی وضع قطع اور ہیئات کے ساتھ تلبس اختیار کرنا یا ان جیسی حرکات وسکنات اختیار کرنے پر بھی آپ نے کراہت کا اظہار فرمایا۔ ان چیزوں کے ساتھ تعلق سے کم نہیں بلکہ تاثر میں اس سے زیادہ ہی ہے۔ اور اسی طرح ان ہیئتوں کو اختیار کرنا جن کو شیطانی مزاج چاہتا ہے، یہ بھی زیادہ مضر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان کے بعد دوسرے درجہ میں ان جانوروں کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔ جو ایسے اخلاق پر پیدا کئے گئے ہیں۔ جو ان اخلاق کے بالکل خلاف اور ضد واقع ہوتے ہیں جو اخلاق انسانوں سے مطلوب ہیں اور یہ جانور ایسے ہوتے ہیں کہ ضرورت کے وقت بھی انسان ان سے دور بھاگتے ہیں۔ اور ان کے اخلاق مضادہ کی وجہ سے وہ ضرب المثل ہوتے ہیں۔ اور سلیم الطبع لوگ ایسے جانوروں کو خبیث اور گندہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان کے گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور ایسے جانوروں کا گوشت کھانا بھی اکل خنزیر کے قریب قریب ہے۔ البتہ کچھ اقوام ایسی بھی ہیں جو ان جانوروں کا گوشت کھانا مکروہ نہیں خیال کرتے۔ لیکن ایسے لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ انکے مزاج بھی طبع سلیم کی ضد اور عام اقتضاء انسانی کے خلاف واقع ہوتے ہیں۔ اور جو فطرت کے خلاف ہو اسکو درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہیئے۔ لہٰذا ایسے لوگ قابل التفات نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ ایسے حیوانات جن میں یہ اوصاف نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ اور جن کے کھانے سے عرب وعجم کے لوگ نفرت کرتے ہیں وہ کئی قسم کے جانور ہیں۔

۱۔ وہ درندہ جانور جو پیدائشی طور پر ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے شکار کو پنجے سے نوچ کر کھاتے ہیں، جن کی پیدائش اور خلقت میں نوچنا، زخمی کرنا، حملہ آور ہونا اور سنگدلی اور قساوت قلبی پائی جاتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیئے کے متعلق فرمایا کہ کیا اُسے بھی کوئی کھاتا ہے۔؟

۲۔ وہ جانور جنکی پیدائش اور جبلت ہی ایسی ہوتی ہے۔ جو انسانوں کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اور ان سے جھپٹ کر چیزوں کو لے بھاگتے ہیں، اور موقع کے منتظر رہتے ہیں کہ ان سے چھین جھپٹ کر چیزوں کو لے جائیں۔ ایسے جانور القاء شیطانی کو قبول کرتے ہیں اور وسوسہ شیطانی کا اتباع کرتے ہیں۔ جیسا کوّا، چیل، کورکرے (چھپکلی) مکھیاں، سانپ، بچھو اور اس قسم کے دوسرے جانور۔

۳۔ ایسے جانور جنکی پیدائش ذلت اور حقارت پر کی گئی ہے۔ جو عموماً سوراخوں اور بلوں میں گھس کر

چھپے رہتے ہیں، جیساکہ چوہے اور دیگر حشرات الارض۔

۴۔ ایسے جانور جنکا زندگی بسر کرنا خوراک نجاسات اور مردار کھانے پر ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ گندگیوں سے آلودگی اور غلاظتوں سے تلبس ہوتا ہے۔ حتی کہ ان کے ابدان گندگی اور بدبو سے بھر جاتے ہیں۔ منجملہ اس قسم کے جانوروں میں سے ایک گدھا بھی ہے۔ جو بیوقوفی، حماقت، رذالت، اور بے حیائی میں ضرب المثل ہے۔ اہل عرب میں سے بہت سے سلیم الطبع لوگ اس سے نفرت کرتے تھے اور اس کا گوشت کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔ اور یہ گدھا شیاطین کے ساتھ بعض اوصاف میں مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جب تم گدھے کی آواز سنو تو بارگاہِ الٰہی میں شیطان سے پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر چلاتا اور رینگتا ہے (بالفاظ دیگر جب شیطان کو دیکھتا ہے تو اپنا قومی ترانہ بلند کر دیتا ہے۔) —— حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اطباء کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مذکورۃ الصدر تمام جانور ایسے ہیں کہ ان کا مزاج نوع انسانی کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے طبی لحاظ (BY THE VIEW OF MEDICAL SCIENCE) سے بھی ان کا گوشت کھانا کسی طرح روا نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ تحلیل و تحریم کے مسائل میں بعض امور ایسے ہیں جن کو ضبط میں لانا اور انکی تحدید و تعیین ضروری ہے، اور ان میں جو ابہام و اشکال ہے، اس کا ازالہ کرنا لازمی ہے ——

مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کی حرمت کا فلسفہ | یعنی نذر لغیر اللہ کی حرمت اور اسکی حکمت ——

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: کئی باتیں ایسی ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے —— مثلاً

۱۔ ایک بات یہ ہے کہ مشرک لوگ اپنے معبودانِ باطلہ اور طواغیت کیلئے جانور ذبح کرتے تھے، اور ان کا تقرب حاصل کرتے تھے، اس لئے ان کے نام پر نامزد کر کے ذبح کرتے تھے۔ اور اس سے غرض ان معبودانِ باطلہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ یہ فعل قطعی شرک ہے۔ اس لئے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس قسم کے شرک سے منع کیا جائے اور شرک کی اس صورت کو مٹا دیا جائے۔ چنانچہ اس قسم کے ذبیحہ کو ممنوع اور حرام قرار دیا گیا اور بڑی مؤکد نہی کی شکل میں ایسے جانوروں کا گوشت کھانا حرام اور ناجائز ٹھہرایا گیا۔ تاکہ یہ شرکیہ فعل ختم ہو جاتے، اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس فعل (ذبح لغیر اللہ) کی قباحت مذبوح جانور میں سرایت کر جاتی ہے، جیساکہ صدقہ کے باب میں اس کا فلسفہ ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر صدقہ کیوں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے خود اسکی علت بیان فرمائی ہے۔ (انما هی اوساخ الناس) صدقات ایک قسم کا میل کچیل

ہے - اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کیلئے جائز نہیں۔

ا- ایک صورت یہ ہے کہ جس کو ما اھل لغیر اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔

ب- دوسری صورت ما ذبح علی النّصب سے متعلق کی گئی ہے۔

ج- تیسری صورت میں ذبیحہ کی حرمت کا موجب اس بات کو قرار دیا گیا ہے کہ کوئی ایسا شخص ذبح کرے جو اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کے نام پہ ذبح کرنے کو حرام نہیں سمجھتا، یعنی ایسا شخص ذبح کرے جو نہ مسلمان ہو اور نہ اہلِ کتاب میں سے ہو تو ایسے شخص کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔

ذبیحہ کے حلال ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ذبح کرنے والا شخص ذبح کا اہل ہو۔ مسلمان تو اس لئے اس کے اہل ہیں کہ عملاً واعتقاداً توحید کو مانتے ہیں، اور اہلِ کتاب بھی توحید کے دعویدار ہیں۔ اس لئے وہ بھی ذبح کے اہل ہوئے۔ ان کے علاوہ کوئی آدمی کافر، مشرک، مجوسی، دہریہ، مرتد وغیرہ بھی اگر ذبح کرے گا تو وہ ذبح کا اہل نہیں اس کا ذبح کیا ہوا جانور مردار ہوگا۔ اس کا کھانا حلال نہیں۔ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: وجہ ذلک ان یوجب ذکر اللہ عند الذبح لانہ لایتحقق الفرقان بین الحلال والحرام بادی الرائے الا عند ذلک۔ (حجۃ اللہ البالغۃ)

اس لئے یہ چیز اس کا موجب ہوئی کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا (بسم اللہ اللہ اکبر کہنا) ضروری اور واجب قرار دیا جائے کیونکہ عین ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے ہی ظاہری طور پر حلال وحرام کے درمیان فرق و امتیاز ہو سکتا ہے۔ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا وہ حلال ہوگا۔ اور جس پر عمداً اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا وہ حرام ٹھہرا۔

ذبیحہ پہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ بعض حیوانات لوگوں کے لئے حلال قرار دئے گئے اور یہ حیوانات بھی زندگی رکھنے میں انسانوں کیطرح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے انسانوں کو ان حیوانات پہ تسلط اور قبضہ دے دیا ہے، تو اس چیز نے اس بات کو واجب اور لازم قرار دیا۔ کہ لوگ اس نعمت کے شکریہ سے غافل نہ ہوں۔ جب یہ ان جانوروں کی روحوں کو ان کے جسم سے جدا کرتے ہیں۔ اور یہ شکریہ اس شکل میں ادا ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں، جیسا کہ سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام۔ تاکہ یہ لوگ، اللہ تعالیٰ کا نام لیں ان مویشیوں پر (یعنی ان کے ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو عطا فرمائے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب الخیر الکثیر کے آٹھویں خزانہ میں ذبح کے مسئلہ کی

حقیقت سمجھاتے ہیں۔ اور اس میں جو عمیق راز ہے اسے بیان فرماتے ہیں۔ ذبح کا راز سمجھنے کیلئے تمہیں معلوم کر لینا چاہیئے کہ حمد کی حقیقت یہ ہے کہ امکانی ضرورت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو جو برتری نفس الامر میں حاصل ہے، تم اپنے ارادہ سے اس کا اعتراف کرو یہ اعتراف تمہارے صحیفہ اعمال میں ثبت ہوگا۔ اور معاد میں تمہارے لئے نافع ہوگا۔ اس اعتراف کے اظہار کی تین صورتیں ہیں۔

ا۔ یا قول سے ہوگا اور اس کا راز تمہیں معلوم ہے کہ قول ارتقاءت نفس الامر کا ایک شعبہ ہے۔ اور جملہ امور کا اظہار اس کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ب۔ یا یہ اظہار تعظیم ہوگا، اور اس طریقہ پر ہوگا کہ تم اپنے قلب اور قالب دونوں کو خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیلئے مخصوص کر دو۔

ج۔ یا یہ فعل سے ہوگا۔ اور وہ ذبح ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے ارادہ سے مذبوح کی روح کو اس ذات اقدس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہو جس کا قرب حاصل کرنے کیلئے تم نے یہ ذبح کی ہے۔ اور اس روح کو تم قفس عنصری سے رہا کرتے ہو اور یہ عمل حقیقت ابراہیمیہ کے ساتھ مختص ہے۔ اسی لئے وہ اس کے امام و نمونہ قرار پائے اور ابراہیم علیہ السلام نے یہ عمل چونکہ دسویں ذی الحجہ کو انجام دیا تھا اس لئے ہمارے لئے بھی اس دن کی تعیین کی گئی، یہاں پر ایک بہت گہرا اور عمیق راز ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذبح ازہاق (اخراج) روح کو کہتے ہیں۔ اس میں روح کی صورت بھی شامل ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ روح کا ایک مستقل عالم (عالم ارواح) ہے، اس لئے اس کا معنی یہ ہوا کہ تم نے تمام عالم کے ذریعہ حمد کا حق ادا کیا۔ امور مجردہ کی تخلیق اور ان کا نشو و ارتقاء اس طرح ہوا ہے۔ کہ ان میں الوہیت کی خوبو آگئی ہے۔ اور وہ لوگوں سے اپنی معبودیت کے طالب رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک روح چاہتی ہے کہ اس کے لئے ذبح کی جائے۔ لہذا تمہیں چاہیئے کہ روح کے اس فریب سے بچو، ورنہ تم اس اللہ تعالےٰ کے منکر ہو جاؤ گے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے اعضاء و جوارح درست کئے ہیں۔ اس وجہ سے سب سے بڑا کبیرہ شرک ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے، عبادات میں کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عتق، ذبح، ذکر وغیرہ یہ سب عبادات میں داخل ہیں۔ اور ایسا کرنا بتقاضائے وجاہت حرام قرار دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مطیع و منقاد ہونا ضروری ہے۔ دین کی بنیاد و اساس یہ ہے کہ انسان سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو شکر کا مستحق نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کی ایسی تعظیم و خدمت میں ہرگز مشغول نہ ہو جس میں متالہانہ جذبات کارفرما ہوں۔

مردار کی حرمت | ان ضابطوں میں سے ایک یہ ہے کہ مردار تمام مذاہب حقہ اور ملل باطلہ

میں حرام ہے۔ ارباب مذاہب حقہ تو اس کے حرام ہونے پر اس لئے متفق ہیں کہ حظیرۃ القدس سے انہیں القاء کیا گیا ہے کہ مردار جانور خبیث و ناپاک ہے، اور خباثت حرام ہے۔ اور ارباب ملل باطلہ نے اسکو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ انہوں نے اس بات کو معلوم کرایا ہے کہ اکثر مردار بمنزلہ زہر کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جسم میں زہریلے جراثیم سرایت کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مرنے کے ساتھ وہ سمیت کی وجہ سے انسانی مزاج کے خلاف ہوتا ہے۔

مردار اور غیر مردار میں فرق | پھر ضروری ہے کہ مردار اور غیر مردار میں فرق و امتیاز کیا جائے چنانچہ شریعت نے اس کے واسطے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے۔ کہ جس جانور کی روح اور جان کو اس کے جسم سے کھانے اور خوراک بنانے کیلئے نکالا گیا ہو وہ مردار نہیں ہوگا۔ اس لئے کسی اونچی جگہ سے گر کر مرنے والا جانور اور وہ جانور جس کو کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو یا جس کو درندوں نے چیر پھاڑ دیا ہو، یہ سب خبائث ہیں اور ان کا گوشت کھانا انسان کیلئے مضرت رساں ہے۔

ذبح اور نحر سنت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔ | ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اہل عرب اور یہود جانور کو ذبح اور نحر کرتے تھے اور مجوس (آتش پرست) جانوروں کا گلا گھونٹ کر یا پیٹ چاک کر کے ہلاک کرتے تھے۔ تاتاری جانور کے سینے میں سوراخ کر کے اس کے دل کو ہاتھ سے مسلتے رہتے تھے یہاں تک کہ جانور مر جائے۔ یہ سب ظالمانہ طریقے ہیں۔ اور ذبح اور نحر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت متوارثہ ہے جسکو یہ دونوں فرقے اہل عرب بوجہ ادعاء اتباع ملت حنفیہ اور یہود بھی اختیار کرتے تھے اور یہ سلسلہ دونوں میں متوارث چلا آرہا تھا۔ اس ذبح اور نحر میں کئی مصلحتیں ہیں۔ مثلاً :-

ا۔ ذبیحہ کو آرام پہنچانے کے نقطۂ نظر سے یہ طریقہ روح نکالنے کا آسان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ اور یہی وجہ ہے کہ ناقص ذبح کو شریطۃ الشیاطین (شیطانی پچھنا یا شیطانی ذبح) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایسی ذبح جس میں بعض رگیں کاٹیں اور بعض نہ کاٹیں۔ اس سے جانور کی روح بڑی تکلیف سے نکلتی ہے۔ اس لئے اس قسم کی ذبح کو شیطانی عمل کہا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (نہی عن شریطۃ الشیطان)

ب۔ دوسری بات یہ ہے کہ خون ان نجاسات میں سے ہے جس سے لوگ اپنے جسم اور کپڑوں سے اگر لگ جائے تو ان کو دھوتے ہیں۔ اور خون سے ہر طرح اپنے آپ کو اور اپنے لباس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ذبح کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ذبیحہ کو اس خون سے پاک کیا جائے۔ اور

گلا گھونٹ کر مارنے یا پیٹ چاک کر کے ہلاک کرنے سے جانور پاک ہونے کے بجائے الٹا اس خون سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ گلا گھونٹنے کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ خون باہر نہیں نکلتا۔ پیٹ چاک کرنے کی صورت میں اگرچہ کچھ خون باہر نکلتا ہے لیکن پھر بھی اچھی طرح خون نکلنے نہیں پاتا۔ اس لئے تطہیر اللحم (گوشت کا پاک صاف ہونا) حاصل نہ ہو سکے گی۔ ایسی صورت اضطراری حالت میں اگرچہ قابل برداشت ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ شکار یا کھڈ وغیرہ میں گرے ہوئے جانور پر اگر اللہ تعالیٰ کا نام لیکر تیز آلہ کے ساتھ زخمی کر دیا جائے تو اس طرح وہ ذبح ہو جائیگا۔ یا مثلاً کوئی جانور وحشی ہو کر بھاگ جائے اور قابو میں نہ آئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم اسکی ران پر بھی اللہ کا نام لیکر زخم کر دو گے تو وہ حلال ہو جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تو اضطراری حالت ہے۔ اختیاری حالت میں بجز ذبح اور نحر کے اس طریقہ کے جو سنت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متوارث چلا آرہا ہے۔ دوسری کوئی صورت قابل قبول نہ ہوگی اور نہ جانور اس طریقہ سے حلال ہو سکے گا۔

ج۔ تیسری بات یہ ہے کہ نحر و ذبح ملت حنیفیہ کے شعائر میں سے ہے جسکی وجہ سے ایک حنیف اور غیر حنیف کے درمیان اس کے ذریعہ فرق و امتیاز کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ختنہ اور دیگر خصائل فطرت جن پر حنفاء کاربند ہوتے ہیں۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے خلعت نبوت سے سرفراز فرما کر مخلوق کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا۔ تو آپ کے دین میں اس سنت ابراہیمیؑ (ذبح ونحر) کو جو دین حنیفی کا شعار ہے، محفوظ رکھا گیا، دیگر شعائر کی طرح اسکی حفاظت بھی واجب اور لازم ٹھہری۔

اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ پھر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے یہ ضروری تھا۔ کہ آپ ذبح کے مفہوم کو اسطرح واضح فرمادیں کہ اس میں کوئی ابہام واشتباہ باقی نہ رہے۔۔۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی کہ ہر ایسی تیز چیز جو خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس سے ذبح درست ہے، ماسوا دانت اور ناخن کے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دانت تو ہڈی ہے۔ اس لئے اس سے ذبح درست نہیں، ایک وجہ اسکی یہ بھی ہے کہ ہڈی خون سے ناپاک ہو جائے گی، اور ہڈی کو ناپاک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ جنات کی خوراک ہے۔ اور ناخن، تو حبشہ کے مشرکین اس سے ذبح کرتے ہیں اس لئے تمہارے لئے یہ روا نہیں۔

ظاہر ہے کہ گلا گھونٹنے اور پیٹ چاک کرنے میں اور نحر و ذبح کے درمیان فرق اسی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے کہ ایک تو تیز آلہ کی شرط ہو اور دوسرا حلق اور لبہ یعنی سینے کا بالائی حصہ یا گردن کی جڑ اور جبڑے کے درمیان ذبح لازم قرار دی جائے اس کے سوا دوسری جگہ کا بجز حالت اضطرار کے

اعتبار نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا حرمت کی صورتیں وہ ہیں جن سے نفسانی (روحانی) صحت کی حفاظت اور ملی مصالح کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔ اور وہ چیزیں جن سے جسمانی صحت کی حفاظت مطلوب ہے۔ جیسے زہریلے مواد اور مفترات۔ تو شریعت نے ان سے کچھ زیادہ تعرض نہیں کیا، کیونکہ اکثر لوگ اپنے تجربات سے اور عقل عامہ (COMMON SENSE) سے ان چیزوں کی مضرتوں کو جانتے ہیں۔ اور ان سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ماکول ومشروب میں محرمات کی تفصیل | حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ تمہیدی ضوابط اور اصول تمہارے ذہن نشین ہو گئے۔ تو ہم اب ان ماکولات ومشروبات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں :۔

ا۔ مثلاً ایک قسم ایسے جانوروں کی ہے کہ جن کے ممنوع اور حرام ہونے کی وجہ اور علت خود ان جانوروں میں پائی جاتی ہے۔

ب۔ دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو بذاتہ خود تو ماکول اللحم اور حلال ہیں لیکن ان میں ذبح کی شرط نہیں پائی گئی اس لئے ان کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔

حیوانات کی تقسیم | حیوانات بھی کئی قسم کے ہیں۔ پالتو اور گھریلو جانور میں سے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ، بکری کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس بارہ میں یوں ہے : احلت لکم بهيمة الانعام (مائدہ) یعنی تمہارے لئے مویشیوں کو حلال قرار دیا گیا ہے ——— ان کے گوشت حلال ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا گوشت پاکیزہ اور معتدل ہوتا ہے اور انسانی مزاج کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔

گدھا اور گھوڑا ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی لڑائی میں گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ گھوڑے کو عرب وعجم کے لوگ پاکیزہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ عمدہ قسم کے جانوروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ نیز یہ اپنے بعض اوصاف کے اعتبار سے انسانوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ برخلاف گدھے کے۔ کہ یہ حماقت، بیحیائی اور حقارت میں ضرب المثل ہوتا ہے۔ اور جب یہ شیطان کو دیکھتا ہے تو چلاتا ہے اور اپنی مکروہ آواز سے سمع خراشی کرتا ہے۔ اسلام سے پہلے اہل عرب کے پاکیزہ فطرت اور پاک نفس لوگ بھی گدھے کے گوشت کو حرام سمجھتے تھے اور اسکے کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔

(باقی آئندہ)

تہذیب و تربیت

حسنِ معاشرت سے متعلق کام کی باتیں

آدابِ معاشرت | ایک صاحب کا خط آیا، اسکو اس طرح بند کیا تھا کہ کھولتے ہوئے پھٹ گیا۔ اس پر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ اس حالت میں یا تو تم کو بند کرنے کی تمیز نہیں یا مجھ کو کھولنے کی تمیز نہیں اور بدتمیز نہ مرید ہونے کے لائق ہے نہ پیر بننے کے لائق، اسواسطے اس قصہ کو ختم کرو اور اگر تم نے بند نہیں کیا کسی اور نے بند کیا تو آئندہ بھی ایسے ہی بدتمیز آدمی سے بند کرایا کروگے تو یہ تکلیف کون برداشت کریگا۔ جواب آیا کہ خط کے اوپر گوند دوسرے شخص نے لگایا تھا۔ حضرت والا کا جواب گیا کہ تم نے خود کیوں نہیں لگایا، کیا اپنے کو اتنا بڑا آدمی سمجھتے ہو کہ ایسے معمولی کام بھی دوسروں سے لیتے ہو تو متکبر آدمی بھی مرید ہونے کے لائق نہیں۔

ترکِ فضولیات | ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص فضولیات میں مبتلا ہوگا وہ کبھی ضروریات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا یہ تجربہ کی بات ہے۔

امراء سے استغناء | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل عموماً مشائخ کے دربار میں اس پر نظر رہتی ہے کون خدمت زیادہ کرتا ہے اور کون کم، اسوجہ سے لوگ اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ الحمدللہ مجھ کو اسکی طرف التفات بھی نہیں ہوتا بلکہ بعضی خدمت سے اور تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض کو تو خدمت کا سلیقہ نہیں ہوتا اور بعض کو اگر ہوتا بھی ہے تو نیت اچھی نہیں ہوتی کچھ اغراض پیشِ نظر ہوتے ہیں، خدمت کرنیکے بعد اس غرض کو پیش کرتے ہیں۔ بُرا معلوم ہوتا ہے یہ تو اچھی خاصی رشوت ہوئی کہ خدمت سے مخدوم نرم ہوجائے گا۔ پھر ہم جو کہیں گے وہ کرے گا۔ گویا کہ تابع اور غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ ان اہلِ دنیا کی نظروں میں دین اور اہلِ دین کی عظمت نہیں، آخر ذلیل سمجھنے کا سبب کیا وجہ کیا، ہمارا ایسا کونسا کام ہے جو بدون ان کے اٹکا پڑا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہی اپنی حاجت آکر پیش کرتے ہیں، ہم نے تو کبھی کوئی حاجت ان کے سامنے پیش نہیں کی اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کو حقیقت معلوم کرادینا چاہئے کہ جیسے تم ملاؤں کو کچھ نہیں سمجھتے، ملا بھی تم کو کچھ نہیں سمجھتے۔

کبر و استغناء کا فرق | فرمایا میں متکبروں کیساتھ الحمدللہ ایسا برتاؤ کرتا ہوں جسکو دیکھ کر وہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ علماء میں بھی ایسے ایسے حضرات موجود ہیں یعنی جو انکو منہ نہیں لگاتے۔ اور خیر میرے متعلق تو ان کا خیال ہی خیال ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اہلِ علم میں بڑے بڑے حضرات ہیں۔ باقی ہم لوگ تو کس شمار

میں ہیں اب رہ گیا حصولِ دنیا سو اس پر حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ کا فرمانا یاد آگیا کہ دنیا ہمیں بھی ملتی ہے اور امراء کو بھی۔ مگر اتنا فرق ہے کہ ہم کو عزت کیساتھ ملتی ہے اور ان کو ذلت کے ساتھ مگر اس استغناء کا حاصل اپنی عزت کی حفاظت ہے نہ کہ امراء کی تحقیر یہ بھی بُرا ہے، کہ دل میں تو اہلِ دنیا کی عظمت واحترام ہے کیونکہ کسی کی تحقیر بھی بہت بُری سی بات ہے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ متواضع اُمرا کیساتھ سختی کرنا بھی تکبّر ہے۔

حفظِ مراتب | ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ ایسے گندے مذاق کے بھی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اُن کے قلب میں عظمت ہے، حق سبحانہٗ تعالیٰ کی اُس قدر نہیں۔ اور جس قدر فقراء کی عظمت ہے اُس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں اور فقراء میں بھی ایسوں کی جو خلافِ شریعت رہتے ہیں۔ جیسے بھنگڑ داہی تباہی فقیر۔

انضباطِ اوقات | ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر میں اوقات منضبط نہ کرتا تو کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس انتظام اور اوقات کی پابندی کی بدولت اتنا کام ہوا انتظام میں حق تعالیٰ نے ایک خاص برکت رکھی ہے۔ مگر اسی انتظام اور اوقات کی پابندی کی بناء پر لوگ مجھ کو بدنام کرتے ہیں، اسکا نام لوگوں نے خشکی بے مروّتی رکھا ہے میں خشکی کے مقابلہ میں کہا کرتا ہوں کہ اتنی تری بھی نہیں چاہئے کہ جس میں ڈوب ہی جائے۔

قرآن دانی کا دعویٰ باطل | ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں آجکل کے مدعیان قرآن دانی کے متعلق فرمایا کہ یہ تو ان نااہلوں کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ ہم قرآن کو سمجھتے ہیں اور تفسیر کر سکتے ہیں اس کیلئے ذوقِ سلیم اور فہم سلیم کی ضرورت ہے اور وہ پیدا ہوتا ہے تقویٰ سے اور بدون تقویٰ کے نورِ فہم کہاں نصیب گو نظر بھی وسیع ہو اس وسعت نظر اور عمق فہم پر میرے ایک دوست نے عجیب بات کہی تھی کہ متبحر کی دو قسمیں ہیں، ایک کدّو متبحر، ایک مچھلی متبحر۔ کدّو تو دریا کی تمام سطح پر پھر جاتا ہے مگر اسکو یہ خبر نہیں کہ دریا کے اندر کیا ہے اور ایک مچھلی ہے کہ عمق میں پہنچتی ہے گو تمام دریا پر نہ تیرے۔ سو یہ آجکل کے مدعی کدّو متبحر ہیں اوپر اوپر پھرتے ہیں اندر کی خاک بھی خبر نہیں جیسے ایک انگریز نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم اردو جانتا ہے اور میر کے اس شعر کی شرح کی تھی۔ شعر یہ ہے ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اُن کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

شرح یہ ہے کہ ہم اور تم اور انڈیا کا بڑا بڑا آدمی (یہ میر کا ترجمہ ہوا) سب اسکے بالوں میں پھنس کر جیل خانے چلا گیا۔ ایسے ہی کسی غیر اردو داں نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم اُردو سمجھتا ہے۔ ہندوستانی نے کہا چہ فہمیدی، تو وہ کہتا ہے کہ ششش گرہ بر نگین رسن گرفت۔ بس یہی حال ہے ان مدعیوں کا خوب سمجھ لو کہ قرآن مجید جیسا لفظاً معجز ہے اسی طرح معنیً بھی معجز ہے۔ بدون نقلِ صحیح کے محض عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی اور لفظی اعجاز کی سب سے واضح اور کلی دلیل تو یہ ہے کہ اہل زبان نے اسکو خدا کا کلام تسلیم کیا اور یہ کہا کہ ماہذا قول البشر باقی تفصیلات وجزئیات بھی مویلات ہیں۔ چنانچہ ایک تائیدی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں اتدعون بعلاً وتذرون احسن الخالقین ہوتا کیونکہ تدعون کے معنی بھی چھوڑ دینے کے ہیں اور تذرون کے بھی وہی معنی ہیں اور تدعون میں صنعت ہے تو بشر صنعت کو ترجیح دیتا اسی کو فرماتے ہیں بعض مصنفین نے قرآن کی بعض آیات کی تفسیر کو نجوم کے اصول پر مبنی کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تفسیر بیان القرآن ایسی سب باتوں سے پاک ہے۔

استاذ ابوزہرہ — (مصری)

اجماعِ اُمت

اور — علمائے یورپ کا غلط طرزِ فکر

کیا اجماع کے ذریعہ نئی شریعت قائم کی جاسکتی ہے؟

یہاں ہم صرف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جسے فخرالاسلام اور دوسرے علمائے اصول نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ جن علماء نے اجماع کو حجت مانا ہے انہوں نے اس کے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ اجماع کا کسی شرعی دلیل پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ علماء شریعت کی سند کے بغیر کسی امر پر مجتمع ہو جائیں۔

فخرالاسلامؒ نے اس سندِ شرعی کا نام "سبب باعث علی الاجماع" رکھا ہے۔ اور وہ سند یا سبب باعث حدیث ہو گی یا قیاس ہو سکتا ہے۔ مگر اجماع منعقد ہونے کے بعد اس سند سے متعلق بحث کی ضرورت نہیں، بلکہ اجماع بذاتِ خود حجت لازمہ سمجھا جائے گا۔ اور اس مسئلہ میں خبرِ آحاد یا قیاس کو بطور دلیل کے نہیں پیش کیا جائے گا بلکہ اجماع سے لزوم قائم کیا جائے گا۔ لہذا سند اجماع پر مناقشہ نہیں ہو سکے گا کہ آیا یہ سند موجب اجماع ہے یا نہیں؟ بلکہ ہم کہیں گے کہ اجماع کرنے والوں کی تغلیط کا احتمال بھی نہیں ہے۔ تاکہ حدیث :-

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ — میری امت ضلالت پر مجتمع نہیں ہو گی۔

کا مفہوم متحقق ہو جائے۔

مستشرقین کی ناانصافی | یہ وہ امر ثابت اور مقرر ہے جسے امام ابوحنیفہ اور دیگر علماء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بات اس قدر بدیہی اور واضح ہے کہ جو شخص بھی اجماع کے بارے میں علماء کے خیالات سے واقف ہو، بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

یہاں پر بعض یورپین مصنفین کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے جو اجماع کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مسلمانوں کے اجماع کی اساس حدیث لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی ضَلَالَۃٍ (میری امت

گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی۔) پر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ایک آیت سورۃ نساء میں
ومن یتبع غیر سبیل المومنین (۱۱۵) اور دوسری آیت سورۃ بقرہ میں ـــ
وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطاً (۱۴۳) ملائی جاتی ہے اور لوگوں کو یہ اختیار
دے دیا جاتا ہے کہ قدیم رسوم کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے طرزِ تفکیر
اور اعمال سے نئے عقائد وسنن کی تخلیق کر سکتی ہیں۔ اب اس اجماع کے طفیل ہم
دیکھتے ہیں کہ جو امر ابتدائے اسلام میں بدعت سمجھا جاتا تھا۔ آج اسے قبولیت کی
نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس نے پہلی سنت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ لے لی ہے۔
مثلاً توسل بالاولیاء کا مسئلہ آج کل عملاً سنت مسلمہ کا حصہ بنا ہوا ہے اور
عصمت انبیاء کا عقیدہ تو اس سے بھی عجیب ہے۔ آجکل اجماع نے قرآن کی
نصوص صریحہ سے منحرف ہونا شروع کر دیا ہے اور اس نے صرف بے بنیاد باتوں
کے اثبات پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ نہایت اہم اور مسلمہ عقائد میں کامل تبدیلی پیدا کر
دی ہے، اس بنا پر آج اسے بہت سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے نزدیک اصلاح
کا فعال ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان اجماع کے نام پر اسلامی
احکام میں جو چاہیں کر سکتے ہیں، چنانچہ گولڈ زیہر جس نے تاریخ اسلام پر خاص ریسرچ
کی ہے۔ پورے وثوق سے کہتا ہے کہ اجماع بہت بڑے کارنامے سر انجام دے
سکتا ہے، اس کے برعکس زنوخ ہر گونن کا خیال یہ ہے کہ موجودہ فقہ میں جمود پیدا
ہو چکا ہے۔ اس لئے اجماع سے کچھ فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں۔[1]

مستشرقین کی غلط فہمی

اجماع کے بارے میں علمائے یورپ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "اجماع"
کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں پائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں "اجماع" ایک "مسلمہ حقیقت"
کی حیثیت رکھتا ہے جس میں کسی طرح بھی نظر و فکر کی اجازت نہیں ہے ـــــ اور وہ یہ بھی سمجھتے
ہیں کہ اجماع سے مراد رائے عامہ کا اتفاق ہے۔ اور وہ اتفاق عقائد وعمل پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر
وہ قرآن کریم، احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعارض ہو تو کتاب وسنت پر اسے فوقیت
حاصل ہوگی۔ اور کتاب وسنت کو چھوڑ کر اس کے ذریعہ ایک نئی شریعت کی بنیاد قائم کی جا سکتی
ہے۔ اور یہ کہ اجماع سے مسلمانوں کے عقائد تک تبدیل ہو چکے ہیں اور کچھ نئے عقائد نے جنم لیا ہے

---

[1] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ عدد ۲، مادہ اجماع۔ [2] تعجب یہ ہے کہ ہمارے صدر محترم محمد ایوب خان صاحب بھی اجماع کے بارہ میں اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ دیکھئے فرینڈز ناٹ ماسٹرز کا اردو ترجمہ صد ۳۲۹، صد ۳۳۱ ـــــ (س)

جن کا ابتدائے اسلام میں نام و نشان بھی نہیں تھا۔

چند تصریحات

مگر اجماع اور اس کے قائلین کے بارے میں ان لوگوں کو غلط فہمی ہے کیونکہ جو لوگ اسے حجت مانتے ہیں وہ یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ اجماع کا حجت ہونا کتاب و سنت کے بعد ہے، بشرطیکہ وہ قرآن کریم اور سنت مشہورہ سے متعارض نہ ہو۔

نیز علماء کی اکثریت نے جس اجماع کو حجت مانا ہے وہ عوام کا اجماع (رائے عامہ) نہیں ہے۔ بلکہ علمائے مجتہدین کا اجماع ہے۔ ہاں وہ مسائل دینیہ جن کا نظر و استنباط سے کچھ تعلق نہیں ہے مثلاً نمازوں کی تعداد —— تو ان میں اجماع عوام بھی معتبر ہے۔

جن علماء نے اجماع کو حجت مانا ہے، انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اس کے لئے کتاب و سنت یا قیاس صحیح سے سند کا ہونا ضروری ہے۔

پس جب اس کے لئے نص یا قیاس سے دلیل کا ہونا ضروری ہے تو کتاب اللہ سے متعارض یا اس پر مقدم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اجماع کا مبنیٰ جب خبر آحاد ہو تو چونکہ اجماع کی وجہ سے خبر آحاد میں قوت پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے اسے حدیث مشہور سے ثابت شدہ حکم کا درجہ دیا جائے گا۔

علمائے یورپ کا طرزِ فکر

اجماع کے بارے میں یہ چند حقائق ہیں جو علماء نے بیان کئے ہیں، مگر علمائے یورپ مسائل کو امر واقعہ کے لحاظ سے سمجھنے کی بجائے اپنے ذہن کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ اجماع کے بعد بدعات بھی سنت ثابتہ کی حیثیت حاصل کر لیتی ہیں۔ یہ اسلام پر ناروا حملہ ہے۔ کیونکہ کسی بدعت کے لئے اجماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بدعت پر کتنی بڑی اکثریت عمل پیرا کیوں نہ ہو وہ بہرحال ضلالت ہے۔ چنانچہ آنحضرت کا فرمان ہے کہ:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِى النَّارِ۔ — ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا مقام جہنم ہے۔
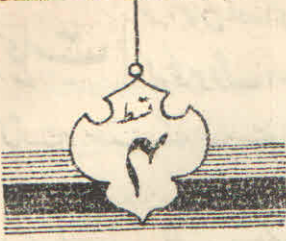
عشاء کے وقت ہم واپس بیت المقدس پہنچے مسجدِ صخرہ کے چاروں طرف بلند کھمبوں میں مرکری بلب گنبدِ صخرہ کے بالمقابل نصب ہیں۔ ان کی روشنی مسجدِ صخرہ پر پڑنے کیوجہ سے رات کے وقت یہ سنہری گنبد دور و دراز سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ بکثرت یہ رات کے وقت بیت المقدس کا نظارہ بھی عجیب دلکش ہے۔ جمعہ کی نماز مسجدِ اقصیٰ میں پڑھی، یہاں کے قاضی القضاۃ استاد عبد اللہ ہوشی نے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پر تقریر کی۔ استاد عبد اللہ ہوشی قدس کا باشندہ اور عمان کے محکمۂ قضاء کا بڑا قاضی ہے۔ اور خطبہ غالباً یہاں کے بڑے عالم یاسین صادق البکری نے دیا۔

اریحا جمعہ کی نماز کے بعد ساتھیوں نے اریحا جانے کا پروگرام بنایا۔ جمعہ کی وجہ سے اڈہ پر اچھا خاصا ہجوم تھا۔ جمعہ کی نماز کے لئے آس پاس کے دیہات سے لوگ مسجدِ اقصیٰ آتے ہیں۔ بمشکل عصر کے وقت ہمیں اریحا کی ایک بس میں جگہ ملی۔ اریحا بیت المقدس سے ۳۵ کیلومیٹر شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔ ہماری بس جب جبل زیتون کے دامن میں جا رہی تھی تو ہم آخری نگاہوں سے مسجدِ صخرہ اور مسجدِ اقصیٰ کی مقدس عمارت کو دیکھ رہے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد پہاڑوں کیوجہ سے بیت المقدس کی آبادی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اب ہماری بس اس سڑک پر جا رہی تھی جس پر ہم عمان سے بیت المقدس آئے تھے۔ بس نے جب ۲۰ کیلومیٹر کی مسافت طے کی تو پہاڑی راستہ ختم ہوا۔ آگے سڑک کے دونوں طرف دو بورڈ نظر آئے۔

ایک پر اریحا اور دوسرے پر ضریح نبی موسیٰ علیہ السلام مکتوب ہے۔ سیدھی سڑک عمان تک جاتی ہے سڑک سے جانب جنوب موسیٰ علیہ السلام کی قبر ایک میل دور ہے۔ جانب شمال کو یہ راستہ اریحا کا ہے۔ اس موڑ سے اریحا سات کیلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ چونکہ ہمارے ساتھ بستر اور سامان تھا۔ اس لئے ہم کو یہاں اترنا باعث تکلیف تھا۔ ہم بس سے سیدھے اریحا چلے گئے۔ سامان کے پاس اڈہ پر ایک ساتھی چھوڑ کر ہم مغرب کی نماز کیلئے چلے گئے۔ یہ مسجد حضرت عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکو جامع عمر کہتے ہیں۔ نماز پڑھ کر ہم اڈہ پر واپس آ گئے۔ مالک اڈہ سے میں نے ہوٹل کے بارہ میں دریافت کیا، کہ ہم رات گذارنے کے لئے کسی ہوٹل میں کمرہ کے متلاشی ہیں۔ اس نے کہا میرے اس دفتر سے ہوٹل کا کمرہ تو اچھا نہیں ہوگا، یہاں رات گذاریں۔ سامان کے نقل وحمل سے بھی بچ جائیں گے صبح جب بھی آپ چاہیں یہاں سے ہی ٹیکسی میں موسیٰ علیہ السلام کے روضے پر چلے جائیں۔ اس نے ہمیں اپنے دفتر کی چابی دیدی حسن خلق اور مہمان نوازی کے یہ مظاہرے اردن میں قدم قدم پر دیکھنے میں آئے۔ افسوس کہ عربوں کی خوبیوں سے عموماً صرف نظر کیا جاتا ہے۔ عشاء کی نماز ہم نے ایک اور مسجد میں پڑھی جو اڈہ کے قریب ہے۔ یہاں تمام اریحا میں صرف دو مسجدیں ہیں۔ اس مسجد میں دو نابینا حافظ ہیں، وہ ہماری باتوں کو سنکر ہم سے پوچھنے لگے کہ تم پاکستانی ہو۔؟ میں نے کہا آپ نے ہمیں کیسے پہچانا۔ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ یہاں پاکستانی آئے تھے وہ بھی آپ جیسی باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا آؤ ہمارے ساتھ کچھ وقت کیلئے مسجد میں بیٹھ کر پاکستان کے احوال سے ہمیں محظوظ کرو۔ ایک نابینا حافظ قریہ خلیل کا باشندہ تھا۔ دوسرا قدس کا۔ انہوں نے ہمیں قرآن مجید کی تلاوت سنائی اور میرا پتہ نوٹ کر لیا۔ کہنے لگے ہم پاکستان دیکھنے ضرور جائیں گے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیسے پاکستان دیکھ سکیں گے۔؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے عراق، حجاز، سوریہ، لبنان، ترکیا کے ممالک، دیکھے ہیں۔ اب صرف افغانستان وپاکستان دیکھنے کی خواہش ہے۔

اریحا تاریخی نقطۂ نظر سے اہم شہر ہے۔ بعض مفسرین غالباً "اھبطوا مصراً" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس شہر سے مراد اریحا ہے۔ بنی اسرائیل جب صحرائے سینا میں ترنجبین اور بٹیر (من وسلویٰ) کے کھانے سے شکایت کے طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ کہ ہم تو ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ خدا سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں ترکاری، ساگ، سبزی، لہسن، پیاز عطا فرمادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اریحا جانے کا حکم دیا جہاں عمالقہ قوم آباد تھی۔ بنی اسرائیل عمالقہ سے ڈر کے مارے اریحا جانے سے انکار کر گئے تو چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکتے رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ یوشع بن نون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لیکر اریحا کو فتح کیا۔ بعض مفسرین نے مصراً سے قدس اور بعض نے ایلہ بھی مراد لیا ہے۔ کیونکہ اِھبِطُوا مِصراً میں مِصراً اسم نکرہ ہے جسکا معنی "تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ تو وہاں تمہیں مطلوبہ سبزیاں مل جائیں گی۔" مگر قرین قیاس یہ ہے کہ مصر سے اریحا مراد لیا جائے۔ کیونکہ اس علاقہ میں اریحا ایک ایسی جگہ ہے جہاں چاروں طرف دور دراز تک ہموار زمین ہے جو کچھ تو دریائے اردن سے سیراب ہوتی ہے، اور اکثر حصہ یہاں کے مشہور چشموں سے۔ جو عین السلطان۔ عین الدویک۔ عین القرنطل کے نام سے مشہور ہیں۔ اس وسیع زرخیز زمین کے سینہ پر صحرائے سینا میں پھیلے ہوئے لاکھوں بنی اسرائیل کا گذر اوقات ہو سکتا تھا۔ اور یہاں کی ترکاریاں انکی شدتِ حرص اور شوقِ سبزی خوری کو پورا کر سکتی تھیں واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اریحا اور زرعی پیداوار

زرعی پیداوار کے لحاظ سے اریحا اردن کا دل ہے۔ ہر قسم کی سبزیاں اور پھل یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ پھلوں میں مالٹا، سنگترہ، کیلا، سیب انار، انگور، انجیر، امرود وغیرہ کے کئی باغات ہیں۔ یہاں سے اردن کے دوسرے شہروں میں یہ پھل اور ہر قسم کی سبزی ٹرکوں کے ذریعہ بھیجی جاتی ہے۔ موسم سرما میں اردن کے امیر لوگ سرد مقامات سے آکر یہاں رہتے ہیں۔ اور گرمیوں کے موسم میں رملہ چلے جاتے ہیں، جو یہاں کے سرد ترین مقامات میں سے ہے۔ قدس اور عمان بھی گرمیوں میں سرد مقامات میں شمار ہوتے ہیں۔ اریحا کے اردگرد کئی مَخَایِمْ (مہاجر کیمپ) ہیں جن میں فلسطینی مہاجر آباد ہیں۔ مخیم عقبۃ جد۔ مخیم عین السلطان مخیم نویعمہ وغیرہ میں چالیس ہزار تک مہاجر بس رہے ہیں۔ جو زراعت و تجارت میں مصروف ہیں۔ اریحا کے جانب مغرب میں دو میل کی مسافت پر ایک پہاڑ جو سامنے نظر آتا ہے، کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسکی چوٹی پر عیسیٰ علیہ السلام نے کافی عرصہ عبادت کی ہے۔ اب اس جگہ پر کئی گرجے اور مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں۔ اس پہاڑ کے دامن میں "مطار اریحا" ہوائی جہازوں کا اڈہ ہے۔ جہاں ہواباز ٹریننگ لیتے ہیں۔ یوشع بن نون کے بعد بنی اسرائیل کافی عرصہ تک یہاں پر قابض رہے۔ پھر رومن کا قبضہ آیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں یہ خطہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔[۱]

اریحا سے کچھ فاصلہ پر شرحبیل علیہ السلام اور ابو عبیدہؓ، معاذ بن جبلؓ کی قبور ہیں۔ صبح

---

[۱] یہ جنگ سے چند دن قبل کے حالات ہیں۔ (ادارہ)

ہم موقف التکسیات (ٹیکسی سٹینڈ) گئے۔ ٹیکسی کو یہاں تکسی کہتے ہیں۔ ٹیکسی والے سے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے روضہ تک آنے جانے کا کرایہ پوچھا، اس نے کہا کہ میں ایک دینار لوں گا۔ ایک دوکاندار ہماری گفتگو غور سے سن رہا تھا۔ اس نے ہمیں بلایا اور کہا کہ یہ آپ سے زیادہ کرایہ مانگ رہا ہے۔ آپ پانچ منٹ انتظار کریں۔ تھوڑی دیر میں میرا بھائی فوجی جیپ میں آجائے گا، وہ ویسے بھی وہاں فوجی کیمپ کیطرف جائیگا تو آپ کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔

حضرت موسیٰؑ کا مزار

معمولی انتظار کے بعد فوجی جیپ آگئی۔ دوکاندار نے اپنے بھائی کو کہا کہ یہ پاکستانی میرے مہمان ہیں ان کو ضریح موسیٰ تک پہنچا دیجئے ہم جیپ میں بیٹھ گئے۔ وہ اریحا میں مختلف فوجی چوکیوں سے ہوتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے مزار تک پہنچا۔ اور روضے کے دروازے کے سامنے جیپ کھڑی کر دی۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کہا: لا شکر علی الواجب ۔ احنا مستعد دن لکل المساعدۃ۔ یعنی یہ ہمارا فرض تھا ہم ہر خدمت کیلئے تیار ہیں، شکریہ کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک گھنٹہ تک اس مبارک روضہ میں رہے۔ ایک اولوالعزم پیغمبر کی پُرعظمت و جلال زندگی نگاہوں میں آگئی۔ مسجد کی دیوار پر اس روضہ کو تعمیر کرنے والے کا نام سلطان ابوالفتح بیبرس لکھا ہوا ہے جس نے ۶۸۶ھ میں اس مقبرہ کو تعمیر کیا تھا۔ روضے کے دروازے پر وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ ۔ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ۔ والطور وکتٰب مسطور کی آیات درج ہیں۔ سب سے زیادہ لطف یہاں کے ایک کتبہ پر لکھے ہوئے اس شعر سے حاصل ہوا ۔

ان نلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم بلّغ سلامی روضۃً فیھا النبی المحترم

"اے بادِ صبا! اگر زمین حرم پر آپ کا گذر ہو تو میرا سلام اس مقدس روضے تک پہنچا دیجئے جہاں حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔"

اس روضہ کے چاروں طرف فوجیوں کی چوکیاں ہیں۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر نبی یوشع علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں۔

بحیرۂ مردار

سامنے ٹیلے پر آپ چڑھ کر اَلْبَحرُ المیّت (بحیرۂ مردار) کا نظارہ دیکھ سکتے ہیں۔ بحیرہ مردار عمان کو جانیوالی سڑک کی جانب جنوب میں ڈھائی میل کی مسافت پر ہے۔ بحیرہ مردار کے ساحل پر لوط علیہ السلام کی قوم بستی تھی جن کے علاقہ کو سدوم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہاں چار بڑے شہر تھے جن میں لاکھوں انسان آباد تھے۔ انہوں نے لوط علیہ السلام کی مخالفت

کی تو اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کو الٹا دیا۔ محکمہ آثار قدیمہ ان بستیوں کے آثار کا سراغ لگا رہا ہے۔ اب بحیرۂ مردار کے ساحل پر تفریح گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں سے واپسی پر ہم موڑ تک ایک میل پیادہ چلے

دار الخلافہ اردن عمان میں

پھر وہاں سے عمان کی بس میں سوار ہوئے، دس میل تک سطح زمین ہموار ہے آگے پھر پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد عمان شہر کی چمکتی ہوئی آبادی نظر آئی۔ "عبدلی" عمان کا مشہور بس اسٹینڈ ہے۔ وہاں اتر کر ادمنی بس میں سوار ہوئے اور جامع حسینی کے پاس اترے۔ وہاں کئی پاکستانی ملے جنہوں نے (شرکۃ نقلیات الاقتصاد) اقتصاد ٹرانسپورٹ کمپنی سے جدہ تک بحری جہاز کے دوطرفہ ٹکٹ خریدے تھے۔ بعض دوسرے پاکستانیوں نے "شرکۃ نقلیات بدر" بدر ٹرانسپورٹ کمپنی سے تبوک کے راستہ بسوں کے ذریعہ سفر کرنے کے ٹکٹ لئے تھے۔ بحری جہاز کے ٹکٹوں پر لکھا گیا تھا کہ تین دن کے بعد بندرگاہ عقبہ سے جہاز روانہ ہوگا۔ اس لئے ہم نے بھی بحری جہاز سے جانیکا فیصلہ کیا میرے ساتھیوں نے کہا کہ اب جبل راس العین جاتے ہیں۔ وہاں ہمارا سامان پڑا ہوا ہے۔ ہم وہاں رات گذار کر صبح سویرے اقتصاد کمپنی آجائیں گے۔ میں حاجی عبدالقدوس صاحب عطار کے ہاں گیا جن کے مکان میں میں ایک ہفتہ رہ چکا تھا۔ حاجی صاحب موصوف افغانستان کے ایک عالم ہیں جو عرصہ گیارہ سال سے عمان میں عطر فروشی کا کام کر رہے ہیں۔

بغداد میں مجھے ایک افغانی عالم نے ان کے نام خط دیا تھا۔ میں جب عمان پہنچا تو جامع حسینی کے قریب ہوٹل میں رہائش کا انتظام کیا۔ دو دن بعد جب حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی اور وہ خط انہیں دکھایا تو انہوں نے فوراً پوچھا آپ کا سامان کہاں ہے۔؟ میں نے کہا سامنے ہوٹل میں وہ بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ آپ میرے مہمان ہیں۔ آیئے وہاں سے سامان لے آئیں۔ انکی چھوٹی سی دوکان جامع حسینی کے بالمقابل ہے۔ اور مکان مدرج رومانی کے قریب ہے گیارہ سال میں گیارہ حج کئے اور اکثر جمعہ کے دن مسجد اقصیٰ جایا کرتے ہیں۔ تمام رات نوافل و تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ کا مزار

صبح ہم نے اقتصاد کمپنی سے ٹکٹ خریدے اور فرصت پاکر سلط روانہ ہوئے جہاں شعیب علیہ السلام کا مزار ہے۔

سلط سے اریحا تک دو پہاڑوں کے درمیان ۴۵ کیلومیٹر کا راستہ ہے۔ اسکو وادیٔ شعیب کہتے ہیں۔ شعیب علیہ السلام کی قبر کے قریب وہ کنواں بھی بتلاتے ہیں، جہاں موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے

آکر شعیب علیہ السلام کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ سلط میں نبی جادور کی قبر بھی بتاتے ہیں اصحاب کہف کی جگہ ہم نے پہلے دیکھی تھی۔ جو عمان سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ہوگی۔ قریہ صحاب کو جانیوالی بس سے وہاں تک دوگرش لیتے ہیں۔ یہ جگہ قریہ ابوعلندہ اور قریہ رجیب کے درمیان ہے۔ سڑک پر

اصحابِ کہف کی غار | بورڈ لگا ہوا ہے جس پر یہ عبارت درج ہے کہف اہل کہف

THE CAVE OF THE SEVEN SLEEPERS

(سات نیند کرنے والوں کی غار) اس بورڈ سے دو فرلانگ کی مسافت پر یہ غار واقع ہے۔ لوہے کے دروازے پر یہ عبارت حضرہ واکتشفہ نیابۃً عن دائرۃ الآثار الاستاذ رفیق وفا الدجانی (استاذ رفیق وفا دجانی نے اس غار کا سراغ لگایا ہے) یہاں دو مسجدوں کے نشانات ہیں ایک غار کے اوپر اور ایک غار کے سامنے جانب جنوب کو غار کے اندر ایک دوسری غار ہے جو نسبتاً زیادہ کھلی ہے۔ یہاں چالیس پچاس قدم ابوعلندہ گاؤں کی جانب اور بھی کئی غار ہیں ۔۔۔ بعض علماء دمشق کے قریب یہ غار بتاتے ہیں۔ اور بعض طرسوس (ترک) میں کہف اہل الکہف بتاتے ہیں۔

عمان اردن کا دار الخلافہ ہے جو کہ یزید بن ابی سفیان نے ۶۳۵ھ میں فتح کیا تھا۔ یہاں جالوت کا قلعہ قابلِ دید ہے، جس میں پرانے زمانے کی بہت سی یادگاریں پائی جاتی ہیں۔ عمان کا شہر کئی پہاڑوں پر پھیلا ہوا ہے۔ جبل عمان۔ جبل راس العین۔ جبل زرقاء۔ جبل القلعۃ۔ جبل حسین جبل لویبدۃ وغیرہ۔ عمان نفاست اور خوبصورتی میں ایک ممتاز شہر ہے۔ اسکی آبادی دو لاکھ سے متجاوز ہے۔ یہاں سے دمشق ریلوے لائن بھی جاتی ہے۔ عمان سے دمشق ۲۲۰ کیلومیٹر ریلوے لائن پر واقع ہے۔ اور جی ٹی روڈ کی مسافت اس سے بہت کم ہے۔ یہ ریلوے لائن عمان کو ترکی، شام اور مدینہ منورہ سے ملاتی ہے۔ مدینہ منورہ ۸۰۰ کیلومیٹر دور ہے مگر اب مدینہ منورہ کی ریلوے لائن معطل ہے۔ ترکیوں کے دورِ حکومت میں یہ لائن کچھ مدت تک قابلِ آمد و رفت تھی۔ اردن کی سڑکوں کی مجموعی لمبائی نو سو میل سے زیادہ نہیں ہے۔ یہاں کے عمدہ مکانات، صاف ستھری سڑکیں، شاندار ہوٹل، حسین وجمیل مسجدیں، پہاڑوں میں پیچ در پیچ سڑکیں شہر کی رونق افزائی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ یہاں للمدرج الرومانی (جسکو درجۃ فرعون بھی کہتے ہیں) عہد قدیم کی عمارت ہے جس پر آثار القصور الاموية لکھا ہے۔ یہ عمارت پہاڑ کے دامن میں ہے۔ پچاس سیڑھیوں میں تین منزل ہیں۔ نیچے پانی کا تالاب ہے سامنے بادشاہ کا کمرہ بتاتے ہیں۔ ان منزلوں میں رہائش کے کمرے بھی ہیں۔ کھدائی کا کام شروع ہے یہاں کی اکثر مساجد مزین ومنقش ہیں۔ خاصکر جامع حسینی جو عمان کے مرکزی خطہ میں واقع ہے۔ اس

جامع میں ابراہیم زید الگیلانی الخطیب کی ساحرانہ اور دل آویز تقریریں سننے کے قابل ہیں۔ جامع حسینی کی تاریخ تاسیس ۱۳۴۱ھ ان اشعار سے واضح ہے :

حسین ابن عون من بنی مجد عدنان — نصار امیر المؤمنین بلاثانی
اعاد لہ حق الخلافۃ بعد ما — ثوت زمنا بالغصب فی آل عثمان
لقد شادفی عمان للخیر جامعاً — بھمۃ عبد اللہ مرتفع الشان
فجاء بحمد اللہ صرح دیانۃ — تأسس بالتقوی فنادی بغفران
یعبر عن علیا الحسین و آلہ — وفوق المبانی تنجلی ھمۃ الباب
لذالک سعید الجد قال مؤرخا — بفضل حسین ۱۳۴۱ھ جل مسجد عمان

تبلیغی جماعت یہاں تبلیغی جماعت کا ایک وفد دیکھا جو عمان کی مساجد و بازاروں میں مصروفِ تبلیغ ہے۔ میں بھی ایک دن رات اس بابرکت جماعت کے ساتھ رہا۔ یہ محلہ کی مسجد میں قیام پذیر تھے وہاں پولیس کے ایک سپاہی نے ان کو نکالنے کی کوشش کی وہاں کئی مقامی باشندوں نے سپاہی کی مخالفت کی مگر وہ اصرار کرتا رہا۔ تو ایک عرب بولا کہ آپ فلاں محلہ کی مسجد میں آجائیں وہاں تمام اہل محلہ کو آپ اپنے بھائی پائیں گے، وہ آپ کی اپنی مسجد ہے۔ چنانچہ امیر کے مشورہ پر یہ جماعت وہاں منتقل ہوئی۔ اس جماعت میں راولپنڈی کے ایک عالم اور علاقہ چھچھ کے ایک معمر بوڑھے سے ملاقات ہوئی جو ایک سال سے تبلیغی چلّہ میں مصروفِ سفر ہیں۔ عمان کے چند ایک باشندوں نے اس جماعت کے ساتھ رہنے کی بدولت داڑھیاں رکھ لی ہیں۔ مدرج رومانی کے قریب حنفیوں کی ایک مسجد ہے جس میں ایک ترکی امام مقیم ہے۔

یہاں کی ہر مسجد میں لاؤڈ سپیکر نصب ہے۔ طلوعِ صبح صادق سے آدھ گھنٹہ پہلے مؤذن تلاوت شروع کرتا ہے۔ اور پھر اذان سے قبل سبحان من اَصْبَحَ الصباحُ - سبحان من فلق الصباحُ - سبحان من اضاءَ بنورہ ولاحُ - سبحانہ وتعالیٰ علی لاالٰہ الااللہ۔ وغیرہ کلمات پڑھتا ہے۔ اذان کے بعد الصلوٰۃ والسلام یامن اسکنک اللہ تعالیٰ فی المدینۃ المنورۃ - نماز سے قبل سورۂ اخلاص تین دفعہ تمام حاضرین پڑھتے ہیں۔ پھر امام کہتا ہے : الی روحِ النبی والی ارواح الانبیاء الفاتحۃ - حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کے ارواح طیبہ پر فاتحہ پڑھو۔ تمام حاضرین سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں ——— (یہ کلمات انھوں نے اپنی طرف سے رائج کرلئے ہیں۔) امام اقامت کے بعد استقیموا واعتدلوا یرحمکم اللہ تعالیٰ - کہتا ہے۔ جمعہ کے دن خطیب وقت سے پہلے تقریر شروع کرتا ہے۔

جب مؤذن پہلی اذان دیتا ہے تو حاضرین سنت پڑھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد خطیب منبر پر چڑھ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سے حاضرین کو مخاطب کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسری اذان پڑھ کر امام خطبہ شروع کرتا ہے اور درمیان خطبہ میں وہ سلطان حسین بن طلال کے لئے دعائیہ کلمات پڑھ کر مؤذن تین دفعہ آمین یارب العالمین کہہ دیتا ہے۔ پھر خطیب خطبہ کو مکمل کر دیتا ہے۔ عمان کے تقریباً ہر گھر میں انگور، انجیر، سرو کے درخت ہیں۔ عمان کے چوراہوں میں بڑے بورڈ پر اللہ - الوطن - الملک۔ لکھا ہوا ہے۔ عمان میں عیسائی بکثرت ہیں۔ اس لئے یہاں عیسائی مدارس اور گرجے بھی بکثرت ہیں، ایک اجنبی عیسائی اور مسلم کا فرق نہیں کر سکتا۔

شرکۃ اقتصاد میں ایک مینجر کا نام عدنان ہے۔ ایک دن اس نے مجھے کہا کہ میرے لئے دعا کرو۔ میں نے کہا کہ اللہ آپ کو حج بیت اللہ شریف اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے متمتع فرماوے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ کسی ملازم نے مجھے بعد میں بتایا کہ عدنان تو مسیحی ہے وہ اس قسم کی دعاؤں سے ناراض ہوتا ہے۔

یہاں ادراز بھی رہتے ہیں جو عقیدے کے لحاظ سے یہودیوں کے قریب ہیں۔ ان کے مذہب میں کوئی چیز حرام نہیں۔ اقتصاد والوں نے ہمیں کہا کہ صبح اپنے بستر وغیرہ یہاں لے آؤ۔ آپ کو صبح کی بس میں یہاں سے عقبہ جانا ہوگا۔ تمام ساتھی صبح سویرے جمع ہو گئے تھے۔ دو گھنٹے سامان کو اٹھانے اور ٹکٹوں کی جانچ پڑتال میں خرچ ہوئے۔ بسوں کا یہ اڈا مختلف ٹرانسپورٹ کمپنیوں کا مرکز ہے۔ یہاں سے بغداد، دمشق، مکہ، مدینہ، تبوک، لبنان، کویت، عقبہ، یرموک، اندلس و دیگر دور دراز ممالک کو جانے کیلئے آپکو بسیں ملیں گی۔ بعض بسوں پر شرکۃ نقلیات الاندلس عبر الصحراء۔ بعض پر نقلیات یرموک۔ بعض پر نقلیات الحج لکھا ہوا ہے۔ بسوں اور ٹیکسیوں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بسم اللہ مجرھا و مرسٰھا۔[1] اور یا رضی اللہ ویا رضی الوالدین[2]۔ لکھا ہوا ہے۔ ایک ٹرک کے پیچھے یہ شعر لکھا ہوا تھا جو بہت پسند آیا ؎

لاتکن للعیش مجروح الفؤاد　　　انما الرزق علیٰ رب العباد[3]

ایک بس کے پیچھے یہ عبارت درج تھی۔ لَا تُسْرِعْ فَاِنَّ الْمَوْتَ اَسْرَعْ۔[4] ہم نے جس بس سے روانہ ہونا تھا۔ اس کے آگے شیشہ پر محفوظین مع السلامۃ۔[5] اور ڈرائیور کے بالمقابل بس کے اندر شعارنا الخدمۃ۔[6] مکتوب تھا ـــ طویل انتظار کے بعد بس عقبہ کی جانب روانہ ہوئی۔ (عقبہ میں کیا دیکھا۔ یہ اگلی فرصت میں سنیئے۔)

(باقی آئندہ)

---

[1] خدائے پاک کے نام پر روانہ ہونا اور ٹھہرنا ہے۔ [2] خدا کی رضامندی اور والدین کی رضامندی مطلوب ہے [3] روزی کمانے کے لئے اپنے دل کو مجروح نہ کر بیشک بندوں کے پروردگار نے رزق دینے کا ذمہ لیا ہے۔ [4] جلدی نہ کر کیونکہ موت بہت جلد آنیوالی ہے۔ [5] سلامتی کے ساتھ محفوظ پہنچ جائیں۔ [6] خدمت ہمارا شعار ہے۔

حضرت مولانا امین الحق صاحب مدظلہٗ خطیب شیخوپورہ

بعض بر خود غلط قسم کے یہودیت نوازوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی التزام طاعت کے لئے حدیث اور سنت کا قرآن شریف کے موافق ہونے اور قرآن شریف میں مذکور ہونے کی شرط لگا دی ہے اور یہ کہا ہے کہ حدیث یا سنت اگر قرآن شریف میں مذکور یا قرآن شریف کے کسی اجمال کا بیان نہیں ہے۔ تو وہ حدیث یا سنت قرآن شریف کے مخالف ہے۔ اسکو دین اسلام کا جز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ یہ غیر قرآنی فکر اور بیہودہ خیال ہے اور قرآن شریف پر اس کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن شریف کی آیات میں اس کو سمجھنا چاہیئے۔ قرآنِ شریف جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا امر کرتا ہے۔ اور قرآنِ شریف کے امر کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو حدیث کو سنت کو ما انزل اللہ میں شامل اور داخل رکھتا ہے اور اللہ کی تشریع کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت کو تشریع کا مقام دیتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے (اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اسکو رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسول کیطرف اگر ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر) اس آیت نے جس طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا امر دیا ہے، اسی طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کی کیفیت اور شخصیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے ایسے حضرات اہل علم کے فکر و نظر کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں جنکو حق تعالیٰ نے نظم قرآنی کے لطائف اور اسلوب بیان کے معانی اور معارف پر گہری بصیرت اور تحقیق و معرفت کا وافر حصہ عنایت کیا ہے ——— حافظ ابن حجرؒ

نے فتح الباری کتاب الاحکام میں اس آیت کے متعلق لکھا ہے۔ یہ آیت امراء کی اطاعت کے بارہ میں اتری ہے اور بخاریؒ کا رجحان بھی یہی ہے اور امام طبریؒ نے بھی اسکو پسند کیا ہے۔ اور مدینہ منورہ کے بڑے مفسر قرآن زید بن اسلم تابعیؒ نے بھی سفیان بن عیینہؒ کو یہی جواب دیا تھا۔ اور فرمایا کہ آیت میں رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ اطیعوا فعل کا اسطرح اعادہ کیا گیا ہے جسطرح کہ اللہ کی اطاعت کے امر میں اطیعوا فعل مذکور تھا۔ رسولؐ کی اطاعت کے امر میں اطیعوا فعل کا اعادہ اللہ کی اطاعت کے استقلال کیطرح قرآن شریف رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے استقلال کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت کیلئے اللہ کی کتاب میں اللہ کے امر کا مذکور ہونا کافی ہے۔ اسی طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کیلئے رسولؐ کے امر کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اور سنت میں مذکور ہونا کفایت کرتا ہے۔ رسولؐ کے امر کیلئے قرآن شریف کی آیات میں تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور فرمایا امراء کی اطاعت کے امر میں مذکورہ فعل اطیعوا کا اعادہ نہیں کیا گیا ہے۔ ایسا کرنے میں قرآن شریف اس حقیقت پر متنبہ کرتا ہے کہ امراء کے ایسے احکام بھی ہو سکتے ہیں جنکی اطاعت لازم نہیں ہے بلکہ فان تنازعتم فی شیئ۔ فرما کر قرآن شریف نے یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ اولی الامر اگر کتاب وسنت پر عمل نہیں کرتے ہیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے اور جس امر میں اولی الامر نے جھگڑا ڈالا ہے اس کو کتاب وسنت کیطرف لوٹاؤ اور کتاب وسنت سے اس نزاع کا فیصلہ کر لو۔

سید آلوسیؒ نے مذکورہ بیان پر کسی قدر مفید اضافہ کے ساتھ یہی لکھا ہے کہ اولی الامر کا عنوان امراء اور علماء دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے کہ امراء سیاسی تدبیر اور انتظام کرتے ہیں اور علماء شریعت کی حفاظت کرتے ہیں۔ دونوں گروہوں کی اطاعت کا موقع ملتا ہے اور دونوں گروہوں سے نزاع اور اختلاف کیا جا سکتا ہے اور آخری فیصلہ صرف کتاب وسنت سے ہو گا۔

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں قرآن اپنے مذکورہ اسلوب میں یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا مستقل وجود ہے اور آپ کی حدیث وسنت کیلئے قرآن پر پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ کہ وہ قرآن میں مذکور ہے یا نہیں بلکہ جب بھی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام امر کرتے ہیں ــــــ تو علی الاطلاق اسکی اطاعت واجب ہے، خواہ قرآن شریف میں آپ کا امر مذکور ہو یا نہ ہو اور فرمایا اللہ کی طرف سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تشریع کیلئے کتاب دی گئی ہے۔ اور کتاب کی طرح حدیث اور سنت دی گئی ہے جیسا کہ صحیح سند سے آپ کا ارشاد ثابت ہے کہ میں کتاب دیا

گیا ہوں اور اس کے ساتھ اسکی مانند مثل دیا گیا ہوں (اعلامہ الموقعین ج اول صہ ۵۲-۵۶ اور ج ۲ صہ ۲۷۹)
اور حافظؒ نے لکھا ہے کہ قرآن شریف نے اولی الامر کی اطاعت کے امر میں اطیعوا فعل کا اعادہ نہ کرنے میں یہ تنبیہہ کر دی ہے کہ اولی الامر اگر سنت کے خلاف کوئی امر دیدے تو اسکی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے (خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے) ــــ اور فرمایا کہ قرآن شریف اس آیت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کے امر میں یہ ظاہر فرما رہا ہے کہ دین کے کسی مسئلہ کیلئے خواہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے، خفی ہے یا جلی کتاب و سنت میں حکم موجود ہے (خواہ وہ منطوق اور منصوص ہے یا عقلی مفہوم اور قیاس واجتہاد کی صورت میں ہے) اور اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن شریف نزاع اور اختلاف کسی صورت میں کتاب اور سنت کیطرف رجوع کرنے کا امر نہ کرتا اس لئے کہ جہاں حکم کے دستیاب ہونے کی امید نہیں تھی اسکی طرف رجوع کرنے کا فائدہ کیا ہے (اعلام الموقعین ج اول صہ ۵۲-۵۶)

غرض یہ کہ دینی نزاعات کیلئے کتاب وسنت معیار ہیں کسی کا فکر و اجتہاد دینی نزاعات کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ نیز قرآن شریف نے کتاب وسنت کیطرف رجوع کرنے کو ایمان کا لازمہ اور تقاضا ظاہر کیا ہے اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو وہ ایمان کا لازمہ اور تقاضا پورا نہیں کرتا اور لازم کے انتفاء سے ایمان کے ملزوم کا انتفاء لازم ہوتا ہے۔ ایسے ضدی اور متمرد کو اپنے ایمان کا پاس رکھنا چاہیئے۔ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں اگر حدیث اور سنت میں ایسا امر اور نہی مذکور ہیں کہ وہ قرآن شریف کے اوامر اور نواہی پر زائد ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نئی اور پیغمبرانہ تشریع ہے۔ (جسطرح کہ اللہ کی تشریع کتاب اللہ میں ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریع حدیث وسنت سے ثابت ہوتی ہے۔) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریع کی اطاعت واجب ہے۔ اور معصیت حرام ہے۔ قرآن شریف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے جو اوامر دیئے ہیں ان کے معنی یہ ہیں کہ ایسے اوامر اور نواہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے جو قرآن شریف میں مذکور نہیں ہیں۔ اور اگر قرآن شریف کے اوامر کی مراد یہ نہ ہو تو پھر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے کچھ معنی باقی نہیں رہتے اس لئے کہ قرآن شریف میں مذکورہ اوامر اور نواہی کی اطاعت قرآن کے احکام کی اطاعت ہے، مگر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص احکام کی اطاعت نہیں ہے۔ اور یہیں قرآن شریف نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے اوامر ونواہی کی اطاعت

کرنے پر مامور فرمایا ہے جو آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہے (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۸۰) حافظؒ نے اس بحث کو خوب تفصیل سے لکھا ہے اور ذیل کی مثالیں لکھی ہیں۔ اگر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے احکام کی اطاعت ضروری نہیں ہے جو قرآن کے احکام پر زائد ہیں تو پھر ذیل کے احکام کو دین کے توام سے نکالنا چاہیئے۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص احکام

حافظؒ نے لکھا ہے کہ قرآن شریف کے احکام سے زائد احکام سنّتِ نبوی کے احکام اگر واجب الاطاعت نہیں ہیں تو پھر ذیل کے احکام کو دینی احکام کی حیثیت سے قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایسے احکام ہیں کہ صرف حدیث میں مذکور ہیں اور قرآن شریف میں مذکور نہیں ہیں۔

پہلی مثال:۔ ایک آدمی کے نکاح میں عمہ یا خالہ کے ساتھ بھتیجی یا بھانجی اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ رضاعت کے رشتہ سے اس طرح حرمت ثابت ہوتی ہے جس طرح نسب کے رشتہ سے حرمت ثابت تھی۔

۳۔ حائضہ عورت نماز نہیں پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔

۴۔ جس نے رمضان کے مہینہ میں دن کو جماع کیا اس پر کفارہ واجب ہے۔

۵۔ مسلم کافر اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا ہے۔

۶۔ میراث میں بیٹے کی بیٹی کا چھٹا حصہ ہے۔ اگر میّت کی بیٹی موجود ہے۔ الخ

اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں۔ یہ احکام حدیث میں مذکور ہیں قرآن شریف میں مذکور نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی تشریع کی طرح حدیث اور سنت کی تشریع کی اطاعت واجب ہے اور تشریع صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کر سکتے ہیں۔ اور تشریع کی تبدیلی کے لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ضروری ہے۔ سنن کی تبدیلی اور قرآن شریف کی آیات کی تبدیلی میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور قرآن شریف کے احکام کی طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کیلئے سنن کے احکام اور جزئیات ناقابل تبدیلی ہیں۔ دینی نزاعات کسی کے فکر و اجتہاد سے فیصلہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ فکر اور اجتہاد کسی فرد کا ہے یا کسی گروہ کا ہے۔ امراء اور علماء کے نزاعات کے جانچنے اور صحیح ثابت کرنے کیلئے کتاب و سنت کی تائید اور موافقت ضروری اور لازمی ہے۔ اور یہ تمام امور پیغمبر

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب اور عظمت کے خصوصی شعائر ہیں۔ ان میں کوئی دوسرا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا ہے جو شخص نبوت کے آداب اور احکام کی پابندی نہیں کرنا چاہتا وہ نبوت کے آداب کے احترام اور پاسداری سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اعمال کے اکارت جانے کا اور عذاب الیم اور فتنۂ عظیم میں پڑ جانے کا بڑا خطرہ ہے۔ ہر ایک مسلمان کو حق تعالیٰ ایسے خذلان وخسران سے بچائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

■

کرۂ ارض جدید تحقیقات کی روشنی میں

اگر آپ زمین کا وزن ٹنوں میں معلوم کرنا چاہیں تو ۶ کے بعد اکیس صفر لگائیے زمین کا سطحی رقبہ تقریباً ۱۹۶،۳۸۶،۰۰۰ مربع میل ہے جس میں سے ۵۶،۰۰۰،۰۰۰ مربع میل کے قریب خشکی ہے اور تقریباً ۱۴۱،۰۰۰،۰۰۰ مربع میل پر سمندر چھائے ہوئے ہیں۔ یعنی زمین پر تری خشکی کے مقابلہ میں تقریباً ڈھائی گنی ہے۔ زمین کا استوائی قطر ۷،۹۲۶ میل لمبا ہے، لیکن اگر ہم قطب شمالی سے قطب جنوبی تک زمین کے مرکز سے ایک سیدھا خط گزاریں تو اس کی لمبائی ۷،۹۰۰ میل ہوگی، کیونکہ زمین بالکل گول نہیں ہے۔ بلکہ قطبین پر قدرے پچکی ہوئی ہے۔ یہ زمین کا —— استوائی گھیر ۲۴،۹۰۲ میل ہے لیکن قطبی گھیر ۲۴،۸۶ میل کے قریب ہے۔ خط استوا پر زمین کے گھومنے کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ سے زیادہ رہتی ہے۔ جس سے دن رات ظہور میں آتے ہیں۔ زمین سورج کے چاروں طرف سال بھر میں جو گردش کرتی ہے اس کی رفتار تقریباً ۲۶،۶۰۰ میل فی گھنٹہ رہتی ہے۔ سورج سے اس کا اوسط فاصلہ ۹۳،۰۰۰،۰۰۰ میل رہتا ہے۔ زمین کی کثافت پانی کے مقابلے میں پانچ گنی ہے۔ ہماری زمین کائنات کی وسعتوں کے مقابلے میں ایک ذرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتی ہے۔ تاہم اس کا اپنا ایک مقام ضرور ہے۔ وہ نظام شمسی کا تیسرا سیارہ ہے۔ سورج اس کے لئے ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن خود سورج کہکشاں کا ایک معمولی ستارہ ہے۔ کہکشاں دراصل ایک عظیم مجموعۂ نجوم ہے۔ اس کے ستاروں کی تعداد ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ بتائی جاتی ہے۔ لیکن کائنات میں ایسے اربوں مجموعہ ہائے نجوم موجود ہیں۔ سائینسدان کہتے ہیں کہ کہکشاں کی چوڑائی ایک لاکھ نوری سال اور موٹائی پندرہ ہزار نوری سال ہے۔ ایک نوری سال سے وہ عظیم فاصلہ مراد ہوتا ہے، جو روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے ایک سال میں طے کرتی ہے۔ ہمارا سورج اور اس کے ساتھ ہماری زمین پہئے جیسی شکل کی کہکشاں کے ایک سرے پر واقع ہے۔ لیکن بالکل کنارے پر نہیں۔

تعارف و تبصرۂ کتب

خلائی تسخیر اور قرآن کریم

مؤلف ابو مسعود نقشبندی - صفحات ۲۴۸ - قیمت چار روپے۔
ناشر :- ادارۂ فروغِ اسلام ۔شجاع آباد۔

دین کے بارہ میں سطحی علم رکھنے والے حضرات اور معاندین اس مغالطہ میں رہتے ہیں کہ اسلام اور سائینس باہم متضاد ہیں۔ اور عصر حاضر کی سائینسی ترقیات اور اسلامی معتقدات میں کوئی جوڑ نہیں۔ فاضل مؤلف نے اپنی کتاب میں تفصیل و تحقیق سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سائینس کا ہر کمال علمی تحریک کا آئینہ دار اور اسلام کے اکثر دعاوی اور معتقدات کا مؤید ہے۔ اسلام اور حقیقی سائینس میں کوئی تصادم نہیں۔ پھر اس سلسلہ میں خاص مسئلہ خلائی تسخیر پر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب بے حد شگفتہ دلچسپ اور بیشمار فوائد و لطائف پر مشتمل ہے۔ آغازِ کتاب کے ضمنی مباحث میں مسئلہ ذلت یہود پر بھی مفید گفتگو کی گئی ہے۔

مرقع یوسفی

از محمد ایوب صاحب قادری ایم اے ۔صفحات ۲۴۸ ۔قیمت ڈیڑھ روپے (کاغذ نیوز)
مکتبہ معاویہ بی ون ایریا ۱۱/۱۶ لیاقت آباد کراچی ۱۹

حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی مرحوم اسلام کے بلند حوصلہ دعاۃ اور خدام میں سے تھے جن کے سنہری کارنامے صفحۂ تاریخ پر ثبت رہیں گے۔ ان کے اقوال و افعال اور اعمال و کردار میں ہدایت و ارشاد کے صد ہزار پہلو پنہاں ہیں۔ "مرقع یوسفی" جناب محمد ایوب صاحب قادری کا مرتب کردہ حضرت مولانا کے احوال و سوانح اور بعض تقاریر و مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ جناب مؤلف کے تحقیقی قلم نے آغاز کتاب میں حضرت کی سوانح پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دعوت و تبلیغ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اور عام مسلمانوں کے لئے حضرت مرحوم کے احوال و مواعظ کا مطالعہ کامیابی دارین اور سعادت آخرت کا موجب ہے۔ جناب محمد ایوب صاحب اگر حضرت مولانا کی سوانح پر بھی اتنی محنت فرما لیتے جو انہوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی مرحوم کی سوانح پر کی تھی تو حضرت پر ایک مفید تحقیقی کام ہوتا۔

زبدۃ الاصول

مؤلف مولانا حمید اللہ بن مولانا نیاز محمد صاحب ۔ صفحات ۴۷ ۔
ناشر :- شعبۂ تصنیف دار العلوم اسلامیہ لکی مروت (بنوں)

پیشِ نظر کتابچہ اصول فقہ میں مولانا حمید اللہ صاحب کی مختصر مگر جامع تالیف ہے۔ بڑی عرقریزی سے

مختصر الفاظ میں اصول فقہ کی مہمات اور اصولی مسائل جمع کئے گئے ہیں۔ مدارس عربیہ کے طلباء کے لئے اس کا مطالعہ اور اصول فقہ کے مبتدی طلباء کیلئے اس کا پڑھنا مفید ثابت ہوگا۔ فاضل مؤلف اسکی تالیف پر اور دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت (جو اپنے علاقہ میں بہترین دینی خدمت انجام دے رہا ہے) اسکی اشاعت پر تحسین اور شکریہ کے مستحق ہیں۔

الجامعہ (فلسطین نمبر) | صفحات ۲۴۸ ، قیمت اشاعت خاص تین روپے۔
ملنے کا پتہ :- الجامعہ ، جامعہ محمدی جھنگ۔

ماہنامہ الجامعہ، مشہور دینی ادارہ جامعہ محمدی کا آرگن ہے۔ پیش نظر اشاعت مسئلہ فلسطین پر اس کی خصوصی اشاعت ہے، جس میں عرب اسرائیل تنازعہ اور مسئلہ فلسطین کے اسباب وعواقب اور تدارک پر اہل فکر، ارباب نظر، اور اصحاب علم و دانش کے مقالات کو بڑی محنت اور سلیقہ سے جمع کیا گیا ہے۔ الجامعہ کی مجلس ادارت اس محنت و کاوش پر مبارکباد کے لائق ہے۔ ماہنامہ الجامعہ علم وصحافت کے میدان میں مفید خدمات انجام دے رہا ہے۔ سالانہ چندہ چھ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے۔